خبردار! ہوشیار!

سال رواں کی 16 جولائی سے 21 جولائی تک نظام شمسی میں قیامت خیز دھماکہ ہونے والا ہے۔

اسے محض افسانہ نہ سمجھا جائے۔ دنیا کی تمام چھوٹی بڑی رصد گاہوں کے سائنس دانوں نے اور ماہرین فلکیات نے 91 سینٹی میٹر قطر والے ٹیلی اسکوپ سے خلا میں دیکھا ہے اور ہوائی میں "مونا کیا" کے اس ٹیلی سکوپ سے بھی مشاہدہ کیا ہے' جو دنیا کی سب سے بڑی دوربین کہلاتی ہے پھر خلا میں جو رصد گاہیں بنائی گئی ہیں' ان کے ذریعے بھی تصدیق کی گئی ہے کہ 21 سیارچے ایک ایک کرکے سیارہ مشتری کی سطح پر گریں گے۔ اس کے نتیجے میں دو کروڑ میگاٹن کے برابر دھماکا اور گونج پیدا ہوگی۔

دو کروڑ میگاٹن کا حساب اس طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ پوری دنیا کے اسلحہ خانوں میں تمام ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں سے جو مجموعی دھماکے ہوسکتے ہیں' ان سے بھی کئی گناہ زیادہ گونج مشتری کی سمت سے آئے گی۔ یہ وہ گونج ہوتی ہے کہ جس سے پہاڑ لرز جاتے ہیں۔ زمین زلزلے سے اور انسانوں کے سینے دہشت سے پھٹ جاتے ہیں۔

اور زمین والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا یہ زمینی سیارہ اس مشتری کا سب سے قریبی ہمسایہ ہے' جس کی سطح پر 16 جولائی سے 21 جولائی تک قیامت گزرنے والی ہے۔

یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کائنات میں وہ 21 سیارچے کہاں سے آگئے؟

جواب یہ ہے کہ فلکیاتی تحقیقات کے مطابق ایک سیارہ ساڑھے چار ارب سال سے کائنات میں بھٹک رہا تھا۔ 1992ء میں وہ سیارہ' مشتری کے قریب سے گزرا تھا۔

قریب سے مراد یہ ہے کہ 25 ہزار کلو میٹر کی دوری سے گزرا تھا۔ سیارہ مشتری میں اتنی زبردست کشش ثقل ہے کہ وہ منجمد گیسوں والا سیارہ سامنے آتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ یعنی اس کے 21 ٹکڑے ہوگئے۔ جبکہ ایک دل کے ٹکڑے ہزار ہوتے ہیں' کوئی یہاں گرتا ہے' کوئی وہاں گرتا ہے لیکن وہ 21 سیارچے ایک ہی جگہ سیارہ مشتری کی سطح پر گرنے والے ہیں۔

کوئی یہ بے یقینی سے کہہ سکتا ہے کہ مشتری 25 ہزار کلو میٹر کی دوری سے ان سیارچوں کو کیسے اپنی طرف کھینچ سکتی ہے؟ ایسی بے اعتقادی سے کہنے والے نے کبھی عشق نہیں کیا ہوگا۔ کبھی تاریخ نہیں پڑھی ہوگی کہ کس طرح قلوپطرہ نے نیل کے ساحل پر رہ کر ہزاروں میل دور رہنے والے رومن شہنشاہ اور اس کے سیارچے انٹھونی کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

نظام شمسی کے عوامل اتنے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ وہ سب کی سمجھ میں نہیں آتے لیکن سمجھانے کا پاکستانی طریقہ ہو تو ہر پیچیدہ بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ ایک بچے نے ماں سے پوچھا۔ "امی "م" سے؟"

ماں نے جواب دیا۔ "مرغی۔"

باپ نے اخبار سے نظریں ہٹا کر کہا۔ "مرغا۔"

بیوی نے میاں کو ناگواری سے دیکھا پھر تکرار شروع ہوگئی۔ ایک کہتی رہی۔ "مرغی" دوسرا کہتا رہا "مرغا" پھر اس نے اخبار ایک طرف پھینک کر بیوی کے بازو کو پکڑ کر کھینچا اور کھینچ کر بیڈ روم میں لے آیا۔ آہستگی سے سمجھایا۔ "اری نیک بخت! کیوں وہاں بچے کے سامنے ایک حرف کو پیچیدہ بنا رہی تھی۔ اب یہ پیچیدگی آسانی سے تیری سمجھ میں آجائے گی۔ دیکھ اگر صرف "م" لکھا جائے اور آرٹسٹ سے لکھایا جائے تو وہ "م" سانپ کی طرح پھن اٹھائے نظر آئے گی۔ ایسے وقت "م" سے مرغا ہوتا ہے اور اگر م۔ ی۔ زیر۔ ی اور م ساکن "میم" پورے ہجے کے ساتھ لکھا جائے تو اس "میم" سے مرغی ہوتی ہے۔ مونث کی پہچان یہی ہے کہ آسانی سے اس کے ہجے کر دیے جاتے ہیں۔"

ماہرین نفسیات اس لئے فیس زیادہ لیتے ہیں کہ انہیں انسانی دماغوں میں گھس کر

سمجھانے کا سلیقہ آتا ہے۔ بہرحال کوشش یہی ہوگی کہ نظام شمسی کی پیچیدگیوں کو بڑی وضاحت سے' نہایت آسانی سے اور پاکستانی طریقوں سے سمجھایا جاسکے۔

یہ جو سیارہ مشتری ہے' یہ محض ایک لفظ "سیارہ" کے باعث مذکر ہے۔ یہ لفظ ہٹا دیا جائے تو وہ مونث بن جاتی ہے۔ بے چاری پر قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ ایک دو نہیں پورے 21 سیارچے اس سے ٹکرانے والے ہیں۔ یہ تو غنیمت ہے کہ وہ نظام شمسی میں ہے۔ اگر پاکستان میں ہوتی تو 21 سیارچے نہیں' پورے 22 خاندان اس سے ٹکراتے۔

فلکیاتی رپورٹ کے مطابق نظام شمسی میں مشتری بزرگ ترین سیارہ ہے۔ یہ سیارہ منجمد گیسوں کا مجموعہ ہے۔ اس کا 90 فیصد حصہ ہائیڈروجن اور دس فیصد حصہ ہیلیم گیس پر مشتمل ہے۔ یہاں مسلسل طوفان کی سی کیفیت رہتی ہے اس کی سطح پر لاتعداد شہابیے' فلکی اجسام اور 16 عدد چاند ہیں۔ پتا نہیں دو آنکھیں 16 چاند کو کیسے دیکھتی ہوں گی۔ لاہور کی مشتری بانو کے ساتھ صرف چار چاند لگے ہوتے ہیں اور اس پر آنکھ نہیں ٹھہرتی۔ یہ اچھا ہی ہے کہ اردو زبان میں کسی حسینہ کو چار چاند سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ورنہ دیکھنے والے اندھے ہو جاتے۔

اس وقت مشتری بانو دلہن کے سرخ جوڑے میں تھی۔ سہاگ کی سیج پر سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنے دولہے کے انتظار میں اس کی سانسیں ایسے چل رہی تھیں جیسے مسلسل طوفان کی سی کیفیت میں ہو۔ اس کے چہرے کی رنگت اور مہندی والے ہاتھوں کی شادابی بتا رہی تھی کہ اس کے اندر بھی 90 فیصد ہائیڈروجن ہے اور جذبات میں لاتعداد شہابیے محوِ گردش ہیں۔

دولہا اور دلہن کو سہاگ کی سیج تک پہنچنے کے لئے بڑا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ابٹن اور مہندی کی رسموں سے گزرنا پڑتا ہے پھر نکاح قبول کرنے اور میکے سے سسرال جانے کے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں لیکن آخر میں سہاگ کی پھولوں بھری سیج پر بیٹھ کر دولہے کا جو انتظار کرنا پڑتا ہے وہ انتظار بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔

وہ بھی بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ بار بار سر اٹھا کر بند دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جب وہ دروازہ کھلتا ہے تو دلہنیں گھونگھٹ اور لمبا کر لیتی ہیں

اور شرم سے سمٹنے لگتی ہیں لیکن وہ دروازہ جب کھلا تو مشتری بانو آنے والے کو دیکھتے ہی خوشی سے کھل گئی۔ پھولوں کی سیج سے اچھل کر فرش پر آکر کھڑی ہوگئی۔ بڑی عجیب بات تھی۔ کیا دولہے کا استقبال یوں بھی ہوتا ہے؟

اور کیا دولہا ایسے آتا ہے جیسے وہ آیا تھا؟ یعنی وہ اپنے ساتھ ایک اور دلہن لایا تھا۔ آنے والی دلہن پورے سولہ سنگھار کئے ہوئے تھی۔ صرف کامدار سرخ گھونگھٹ اس کے سر پر نہیں تھا۔ مشتری بانو نے اس کا دوپٹا لے کر اپنا سرخ گھونگھٹ اس کے سر پر ڈال کر اسے مکمل دلہن بنا دیا پھر اسے اپنی جگہ پھولوں کی سیج پر بٹھا کر اس آنے والے کے ساتھ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ نئی دلہن نے دیکھا۔ وہ دروازہ بند ہو گیا تھا۔ عورت اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے۔ مگر اپنا شوہر کسی دوسری کو نہیں دیتی۔ مشتری بانو اپنا دولہا اس دوسری کو دے کر چلی گئی تھی۔ بڑی دل گردے والی' بڑی سخاوت والی تھی۔

وہ نئی آنے والی کون تھی؟ کوئی راز کبھی راز نہیں رہتا۔ کبھی نہ کبھی اس پر سے پردہ اٹھتا ہے۔ کائنات میں بھٹکنے والے نامعلوم سیاروں کو طاقتور دوربین سے دریافت کیا جاتا ہے تو پھر وہ نامعلوم نہیں رہتے۔ ویسے اس نئی دلہن کا تعلق بھی نظام شمسی سے تھا اور اس کا نام چاندنی بی تھا۔

مشتری بانو اور اس کے ساتھی نے ایسے انتظامات کئے تھے کہ دولہا دیر سے اپنی دلہن کے کمرے میں پہنچے۔ لہٰذا وہ دیر سے پہنچا۔ دروازہ کھول کر اندر آیا اس کے ایک ہاتھ میں بریف کیس تھا اور دوسرے ہاتھ میں ہاتھی دانت کے دستے والی چھڑی تھی۔ چاندنی بی نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کرنے کے لئے اوپر کی طرف ہاتھ اٹھایا ہوا تھا اور ہاتھ سے ٹٹول کر چٹخنی تلاش کر رہا تھا جبکہ چٹخنی اوپر نہیں تھی۔ دروازے کے ہینڈل کے ساتھ ایک چھوٹی سی انچ کی تھی۔ اس کو گھمانے سے وہ دروازہ اندر سے لاک ہو جاتا تھا۔

پھر اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل تک آیا اور اس انچ کی تک پہنچ گیا وہ اسے گھما کر دروازے کو لاک کرتے ہوئے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ نئی کوٹھی تمہارے لئے خریدی ہے۔ اس لئے یہاں کے در و دیوار کے متعلق نہیں جانتا ہوں۔

کل تم مجھے یہاں کی ایک ایک تفصیل بتا دینا۔"

وہ دروازے کو لاک کر کے پلٹ گیا۔ اب اس کا رخ پھولوں کی سیج کی طرف تھا لیکن وہ سیج اور وہ دلہن نظر نہیں آ رہی تھی۔ دولہے کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ ان میں موتیا اتر آیا ہے۔ دونوں پتلیاں سفید ہو گئی تھیں۔ وہ چھڑی ٹیک ٹیک کر بستر کے پاس آتے ہوئے بولا۔ "میں شادی سے پہلے تمہیں بتا چکا ہوں کہ بالکل اندھا نہیں ہوں۔ مجھے بہت ہی دھندلا سا، تھوڑا تھوڑا سا دکھائی دیتا ہے۔ اب اتنے قریب آ کر بہت دھندلا سا دکھائی دے رہا ہے کہ کوئی یہاں بیٹھا ہوا ہے۔"

پھر وہ مختصر سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "یہاں کوئی اور نہیں ہے۔ میری دلہن ہے۔ میری شریکِ حیات مشتری بانو ہے۔"

اس نے چھڑی سے بستر کو ٹٹول کر اس کے سرہانے پر بریف کیس کو رکھا پھر اسے کھولا۔ اس کے اندر آدھے حصے میں بڑے نوٹوں کی گڈیاں تھیں اور آدھے حصے میں ایک بڑی سی دوربین رکھی ہوئی تھی اس نے ٹٹول کر دوربین کو ایک ہاتھ سے اٹھایا پھر دوسرے ہاتھ سے بریف کیس کو بند کر کے بستر پر آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں جلدی میں تمہارے لئے ہیرے کی انگوٹھی خرید نہ سکا۔ یوں بھی جوہری میری بصارت کے پیش نظر ہیرے کی جگہ کوئی چمکدار پتھر دے سکتا تھا۔ میں نادانی سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب ہیرا چاہتا ہوں تو پھر ہیرا ہی حاصل کرتا ہوں۔ جیسا کہ تم اصلی ہیرا ہو اور تمہاری جگہ کوئی پتھر نہیں ہے۔"

چاند بی بی نے نظریں اٹھا کر اس کی محتاج آنکھوں کو دیکھا اور اس کے اس دعوے پر مسکرائی کہ وہ نقلی نہیں اصلی مال حاصل کر رہا ہے۔ اس نے کہا۔ "اس بریف کیس میں پورے ایک لاکھ روپے ہیں۔ ان سے تم اپنی پسند کے ہیرے کی انگوٹھی خرید سکو گی۔ یہ رقم دلہن کی منہ دکھائی کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے آنکھوں سے دوربین لگائی پھر اس کے لینس کو سیٹ کرنے لگا۔ اس کی بصارت اتنی ہی رہ گئی تھی کہ چاروں طرف سے اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ اس اندھیرے کے درمیان میں جیسے ایک ننھے سے سوراخ سے کچھ اجالے کا دھندلکا سا دکھائی دیتا تھا۔ سامنے کوئی ہو تو انسانی خاکہ سا جھلکتا تھا۔

دوربین سے دیکھنے پر دور والا چہرہ نزدیک آ جاتا تھا لیکن بصارتی کرن اتنی باریک تھی کہ جیسے وہ سوئی کے ناک سے جھانک کر دیکھ رہا ہوں۔ آنکھیں ’ناک‘ نتھ‘ ہونٹ‘ کان اور کانوں کے جھمکے یوں دکھائی دیئے جیسے دوربین کے شیشوں پر پانی کے چھینٹے پڑ گئے ہوں اور سامنے کی ہر شے دھندلا گئی ہو۔ دلہن کی مستند شناخت نہیں تھی۔ حالات کے سیاق و سباق سے سمجھا جا سکتا تھا کہ نکاح مشتری بانو سے ہوا ہے۔ لہٰذا وہ دلہن مشتری بانو ہی ہے۔

دنیا کی تمام رصد گاہوں میں نوجوان سائنسدان کم ہوتے ہیں۔ بوڑھے زیادہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ پچاس‘ ساٹھ اور ستر برسوں کے تجربات قابلِ اعتماد ہوتے ہیں لیکن ان بوڑھے سائنسدانوں کی بینائی کمزور ہوتی ہے۔ یہ کمزوری عینک سے اور طاقتور دوربین سے دور کی جاتی ہے۔ مگر ایسا کرنے کے باوجود بعض اوقات فلکیاتی مشاہدہ غلط ہو جاتا ہے۔ کوئی بھٹکا ہوا اجنبی سیارہ پوری توجہ کے باوجود ناقابلِ شناخت رہ جاتا ہے۔

سائنسدانوں سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ بے چارہ دولہا بھی دوربین کے ذریعے دیکھتے دیکھتے مشتری کی سطح پر اترنا چاہتا تھا مگر غلطی سے چاند پر اتر گیا۔

☆-------☆-------☆

اس رات ایک ڈارک روم میں بہت سے نیگیٹو کے پرنٹ تیار ہو رہے تھے۔ صفدر بخاری ایک ایک تصویر تیار کر کے مشتری بانو کو دے رہا تھا۔ مشتری اس تاریک کمرے کی سرخ مدھم لائٹ میں ان تصویروں پر ایک نظر ڈال کر انہیں ایک تنی ہوئی ڈوری پر کلپ کے ذریعے لٹکا دیتی تھی۔ تاکہ وہ گیلی تصویریں خشک ہوتی رہیں۔

ایک تصویر میں وہ اپنے نابینا شوہر ملک حیات شاہ کے ساتھ ایک رجسٹرار کے آفس میں تھی۔ دوسری تصویر میں اس کی اور نابینا شوہر کی کورٹ میرج ہو رہی تھی۔ تیسری اور چوتھی تصویروں میں وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے کاغذات پر دستخط کر رہے تھے۔ ایسی کئی تصویریں تھیں‘ جن سے یہ کسی شک و شبے کے بغیر ثابت ہو جاتا تھا کہ مشتری بانو اس نابینا ملک حیات شاہ کی شریکِ حیات بن چکی ہے۔ ان تصاویر کے علاوہ کورٹ کا میرج سرٹیفکیٹ بھی تھا۔ ان تمام دستاویزی ثبوت کے مطابق ابھی اسے

اپنے نابینا شوہر کے پہلو میں ہونا چاہئے تھا لیکن وہ ڈارک روم میں صفدر بخاری کے ساتھ تھی کیونکہ صفدر بخاری اس کا پہلا شوہر تھا۔

صفدر نے کبھی شہر بخارا نہیں دیکھا تھا۔ اس کے باپ دادا نے بھی اس شہر کا نام صرف سنا تھا۔ اس کا نام محمد صفدر تھا۔ یہ نام کچھ بھاری بھرکم سا نہیں لگتا تھا۔ اس نے دیکھا تھا کہ نام کے ساتھ پاکستان کے باہر کسی شہر کا حوالہ ہو تو شخصیت باوقار لگتی ہے۔ اس نے سوچا اپنا نام صفدر افغانی رکھے لیکن خانہ جنگی کے باعث افغانی پاکستان کے لئے مسئلہ بنے ہوئے تھے پھر سوچا کہ صفدر مشہدی کہلائے مگر خیال آیا کہ ماہ محرم میں شیعہ اور سنی حضرات میں تصادم ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا اسے غیر جانبدار رہنا چاہئے۔ اس کے پاس ایسی کوئی صلاحیت نہیں تھی' جس کے ذریعے وہ بڑا آدمی بنتا اور دوسروں سے ذرا منفرد نظر آتا۔ ایسے لوگ اپنا نام تبدیل کر کے خود کو منفرد اور بھاری بھرکم بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک بار وہ ملیریا بخار میں مبتلا ہوا۔ یہ بخار چڑھتا اترتا رہتا ہے۔ تیسرے دن صحت یاب ہونے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بخاری کہلائے گا۔ یہ نام صفدر بخاری اسے راس آگیا۔ اس نام سے شناختی کارڈ بنوانے کے دوسرے ہی دن مشتری بانو سے ایک دوست کی شادی میں ملاقات ہوئی اور مشتری پہلی ہی ملاقات میں اس کے عشق کے بخار میں مبتلا ہو گئی۔ ان دنوں وہ مشکلات میں تھی۔ کہتے ہیں کہ چھ ماہ قبل اس کے باپ نے مرنے کے بعد اس کے لئے چھ لاکھ روپے کا مکان اور ڈیڑھ لاکھ روپے نقد چھوڑے تھے۔ وہ اکلوتی تھی۔ اس تمام نقدی اور جائیداد کی حقدار تھی۔ ماں بچپن میں مرچکی تھی اور کوئی سگا نہیں تھا لیکن رشتے دار بہت تھے۔ ان میں سے 19 سیارچے جوان تھے اور مشتری کی سطح سے ٹکرانے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ وہ ان سے کترا رہی تھی لیکن قدرت نے اسے بے حد پُرکشش بنایا تھا' پھر مرحوم باپ نے اس کے اندر ساڑھے سات لاکھ روپے کی کشش بھردی تھی۔ ان حالات میں 19 سیارچوں کا بھی قصور نہیں تھا۔ وہ بے پناہ کشش کے باعث کھنچے چلے آرہے تھے۔ ایسے وقت 20 واں سیارچہ صفدر بخاری بھی اس کی کشش ثقل میں آگیا تھا۔

وہ سیارچہ ایسا تھا' جس میں مشتری نے بھی کشش محسوس کی اور اس سے متاثر ہونے لگی۔ وہ جس دوست کی شادی میں گیا تھا' اس دوست کی بیوی' مشتری کی سہیلی

تھی۔ سہیلی نے بتایا کہ صفدر بخاری ایک امپورٹر ایکسپورٹر ہے۔ اچھا کھانے کمانے والا شخص ہے۔ اس کے دوست نے کہا۔ "میری بیوی کی سہیلی بڑی پیسے والی ہے۔ ایک مکان اور خاصا بینک بیلنس ہے۔ کوئی گارمنٹس فیکٹری قائم کرنا چاہتی ہے مگر ہم اسے مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ پہلے شادی کرلے۔ ایک جیون ساتھی ہوگا تو اس کا کاروبار سنبھالنے میں بڑا مددگار ثابت ہوگا۔"

دونوں کے ستارے خوب ٹکرائے تھے۔ صفدر بخاری کو بھی ایسی شریک حیات کی ضرورت تھی' جو اس کی خالی جیبوں میں کرنسی بھرتی رہے۔ اس نے یہ بھی سن لیا تھا کہ مشتری بڑی چالاک ہے' کسی کنگلے سے شادی نہیں کرے گی۔ اِدھر اس نے کبھی خود کو کنگلا ظاہر نہیں کیا تھا۔ بڑی بڑی ڈینگیں مارنے کا عادی تھا۔ فوٹو گرافی کا کام اچھی طرح جانتا تھا لیکن ہڈحرام تھا۔ کسی فوٹو گرافر کی دکان میں صبح سے شام تک بیٹھنا گوارا نہیں تھا۔ ایک کیمرا لئے گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ کبھی حادثاتی یا وارداتی واقعات کی تصاویر اتارنے کا موقع مل جاتا تو اخبار والوں سے ایسی تصاویر کا اچھا خاصا معاوضہ مل جاتا تھا۔

ایک اوسط درجے کے امپورٹر' ایکسپورٹر سے اس کی دوستی تھی۔ اکثر اس کے دفتر میں جا کر بیٹھتا تھا۔ اپنے ملنے جلنے والوں کو وہاں کا ٹیلی فون نمبر دیا ہوا تھا اور فون پر ایسے انداز میں گفتگو کیا کرتا تھا جیسے وہی اس دفتر کا اور کاروبار کا مالک ہو۔ اس نے دوسری ملاقات میں مشتری بانو کو بھی وہی فون نمبر دیا چونکہ دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی تھی۔ اس لئے تیسری ملاقات میں مشتری اس کے دفتر پہنچ گئی۔ وہاں صفدر بخاری کے دوست نے بتایا کہ اس کاروبار میں صفدر اس کا پارٹنر ہے۔

پھر ایک ملاقات سمندر کے کنارے ہوئی۔ مشتری نے پوچھا۔ "کیا اپنی کوٹھی نہیں دکھاؤ گے؟"

اس نے کہا۔ "سوسائٹی میں میری ایک کوٹھی تھی۔ اسے فروخت کر کے تمام رقم کاروبار میں لگا دی ہے۔ مجھ تنہا شخص کی رہائش کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں ایک دوست کے ساتھ ایک چھوٹے سے مکان میں کرایہ شیئر کر کے رہتا ہوں۔"

"تم شادی کرنا چاہتے ہو۔ مجھے دلہن بنا کر کہاں لے جاؤ گے؟"

"فی الحال کرائے کا ایک مکان لوں گا پھر قسطوں پر ایک بنگلا بک کراؤں گا۔

میرے کاروبار سے جو منافع ملتا رہتا ہے' اس سے قسطیں ادا کرتا رہوں گا۔"

"میں چاہوں گی کہ وہ بنگلہ میرے نام سے بک کراؤ۔ کیا تم اعتراض کرو گے؟"

"ہرگز نہیں۔ شادی کے بعد میرا سب کچھ تمہارا ہی ہوگا۔"

"شادی سے پہلے کی بات کرو۔ تمہاری پیشانی پر یہ نہیں لکھا ہے کہ تم کتنے سچے اور مخلص ہو۔"

"میری جان مشتری! محبت کرنے کے لئے باہمی اعتماد لازمی ہوتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں' محبت اندھی ہوتی ہے۔ جذباتی ہوتی ہے لیکن میں اندھی ہوں اور نہ جذباتی ہوں۔ میں اپنے ابا کی زندگی گزارنے کا انداز دیکھ چکی ہوں۔ وہ سٹہ باز تھے۔ الٹے سیدھے دھندوں سے کچھ نہ کچھ کمالیا کرتے تھے لیکن بظاہر ایسی اجلی اور شریفانہ زندگی گزارتے تھے کہ محلے پڑوس میں نہایت معزز اور شریف آدمی کہلاتے تھے۔"

"مجھے اپنے ابا کے جیسا سمجھ کر میری توہین کر رہی ہو۔"

"اگر تم ایسے نہیں ہو تو میرے ابا کی زندگی پر تمہیں افسوس کرنا چاہئے اور اپنی توہین نہیں سمجھنا چاہئے۔"

اس نے سوچا۔ یہ بڑی تیزی ہے اس نے باپ کی زندگی سے محتاط رہنے کا سبق سیکھا ہوا ہے۔ وہ انجان بن کر بولا۔ "پھر تو تمہارے ابا تمہیں مجبور اور دوسروں کا محتاج بنا کر گئے ہوں گے۔"

"ہاں ایسے لوگ دولت کمانے کی دھن میں کبھی دولت کما نہیں پاتے۔ کنگال رہتے ہیں اور کنگال ہی مرتے ہیں۔"

اس نے دل میں کہا۔ "یہ کم بخت اپنی جائیداد اور بینک بیلنس چھپا رہی ہے۔ بہت چالاک ہے لیکن مرد سے زیادہ چالاک نہیں ہو سکتی۔ میں اسے ایسا چکر دوں گا کہ ساری زندگی چکراتی رہے گی۔"

"کیا تم کسی رشتے دار کے ہاں رہتی ہو؟"

"ہاں میرے ایک چچا کا مکان خالی پڑا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے رہنے کے لئے دیا ہے۔ میں خواتین کے کپڑے سلائی کر کے اپنے اخراجات پورے کرتی ہوں۔"

"اس لئے تم مجھ سے ایک خوشحال زندگی کی ضمانت چاہتی ہو؟ مجھے بتاؤ تم مجھ پر کس طرح اعتماد کرو گی؟"

"اس طرح کہ تمہارے دوست کے ساتھ کاروبار میں تمہاری جو پارٹنرشپ ہے' مجھے اس پارٹنرشپ کے معاہدے کے کاغذات دکھاؤ اور ایک نیا معاہدہ کرو' جس کی رو سے کاروبار میں تمہارے حصے کا منافع میں حاصل کروں گی۔ اس منافع کی رقم میرے بینک اکاؤنٹ میں رہا کرے گی۔ تم جب چاہو گے میں تمہارے اخراجات کے لئے معقول رقم دیتی رہوں گی۔"

"کیا محبت کرنے والی وفادار بیویاں اسی طرح اپنے شوہروں کے کاروبار اور آمدنی پر قبضہ جماتی ہیں؟"

"جو محبت اور جذبات میں اندھی نہیں ہوتیں' وہ اسی طرح احتیاطی تدابیر پر عمل کرتی ہیں۔ اکثر شوہروں کی نیک نیتی مشکوک ہوتی ہے۔ ان کی آمدنی بیویوں کے ہاتھوں میں رہے تو پھر وہ بڑی معقول ازدواجی زندگی گزارتے ہیں اور ایک گھر پیارا گھر کی مثال قائم کرتے ہیں۔"

"تمہاری باتیں ایک لحاظ سے درست ہیں لیکن ان میں ایک عورت کی خود غرضی بھی ہے۔ مجھے سوچنے کا موقع دو کہ تم کس حد تک خود غرض ہو اور کس حد تک میرے لئے مخلص ہو۔"

وہ چوبیس گھنٹوں کے لئے جدا ہو گئے۔ صفدر بخاری نے اپنے دوست کے پاس آ کر کہا۔ "یار! تم نے مشتری بانو کے بارے میں غلط کہا تھا کہ وہ جائیداد اور بینک بیلنس رکھتی ہے۔ وہ تو کپڑے سلائی کر کے گزارا کرتی ہے۔"

دوست نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "اگر وہ غریب ثابت ہو گئی تو کیا تم اس سے شادی نہیں کرو گے۔"

"ضرور کروں گا۔ اگر وہ غریب ہو گی تو مجھے اس پر اور زیادہ پیار آئے گا لیکن میں اپنی ہونے والی شریک حیات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کا حق رکھتا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے تم اس سے سچا عشق کرتے ہو؟"

"بے شک میں ہر حال میں اس کے ساتھ زندگی گزاروں گا لیکن یہ پسند نہیں کروں گا کہ اس کی جھوٹی دولت مندی لوگوں پر ظاہر کی جائے اور اس کے دور اور نزدیک کے کزن دولت کے لالچ میں اس کے پیچھے پڑے رہیں۔ ایسے لالچی رشتے دار اس کی جان بھی لے سکتے ہیں۔ تم ایک بینک منیجر ہو۔ تم لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ان سے کہہ سکتے ہو کہ مشتری بانو ایک غریب محتاج لڑکی ہے۔ اس کا کوئی بینک اکاؤنٹ نہیں ہے۔"

"کل صبح تم مجھ سے بینک میں ملو۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔"

اس نے دوسری صبح اس سے بینک میں ملاقات کی۔ دوست نے کہا۔ "مشتری خود کو ایک مفلس لڑکی ظاہر کرتی ہے لیکن کھوج لگانے والے رشتے داروں نے مختلف ذرائع سے اس کی حقیقت معلوم کی ہے۔ ان میں سے ایک نوجوان نے مجھ سے دوستی کی۔ وہ چاہتا تھا کہ مجھے دوست بنا کر اس کا بینک بیلنس معلوم کرے۔ مگر ہم بینک والے قواعد و ضوابط کے پابند ہوتے ہیں۔ کسی کو کسی کا بینک بیلنس نہیں بتاتے۔ میں نے اسے بھی نہیں بتایا لیکن تمہیں بڑی رازداری سے بتا رہا ہوں۔ ابھی میں نے یہاں آکر بیلنس شیٹ دیکھی ہے۔ مشتری کے اکاؤنٹ میں آج کی تاریخ تک بائیس لاکھ ستر ہزار روپے ہیں۔"

صفدر بخاری کی اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"تم یقین نہیں کرو گے، تب بھی جو سچ ہے، وہ سچ ہی رہے گا۔ میری بیگم اور مشتری میں بڑی گہری دوستی ہے اور میری بیگم کو تم دونوں کی جوڑی بہت پسند ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس سے تمہاری شادی ہو جائے۔ اسی نے مجھے مجبور کیا کہ میں چپ چاپ رازداری سے تمہیں اس کا بینک بیلنس بتا دوں تاکہ تم شادی کے بعد گارمنٹس فیکٹری قائم کرنے کے سلسلے میں ٹھوس پلاننگ کر سکو۔"

صفدر بخاری کے اندر مسرتوں کی آندھی چل رہی تھی لیکن اس نے مسرتوں کو چھپانے کی کوشش کی اور سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے اس کی دولت مندی

سے کچھ نہیں لینا ہے۔ میں نے تو کل ہی تم سے کہا تھا کہ وہ غریب ہو گی تو مجھے اس پر اور زیادہ پیار آئے گا کیونکہ میں صرف اس کی ذات سے محبت کرتا ہوں۔"

"مجھے اور میری بیگم کو یقین ہے کہ تم اس سے سچی محبت کرتے ہو اور اس کے بارے میں صرف صحیح معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

"ہاں اب سمجھ میں آگیا۔ وہ خود کو غریب ظاہر کر کے یہ آزمانا چاہتی ہے کہ میں ایک غریب لڑکی سے شادی کروں گا یا نہیں؟ تم میرے دوست ہو اور میری نیت کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔"

"صرف میں ہی نہیں، میری بیگم بھی سمجھتی ہے۔ اس لئے اس نے کل رات مشتری سے کہہ دیا تھا کہ تمہارے جیسا مخلص جیون ساتھی اور کہیں نہیں ملے گا۔ تم اس کی غریبی کے باوجود اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔"

"ویسے مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ مشتری بانو کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟ وہ تو کہتی ہے کہ اس کے ابا سٹے باز تھے۔ ساری زندگی الٹے سیدھے دھندوں سے دولت مند بننے کی کوششیں کرتے رہے لیکن بیٹی کو مفلس اور محتاج چھوڑ کر مرے۔"

"ہاں، میری بیگم نے اس کے والد کے متعلق کچھ ایسی ہی باتیں بتائی ہیں لیکن بیگم بھی مشتری کے متعلق مکمل حالات سے واقف نہیں ہے جہاں تک اس کے کردار کا تعلق ہے تو وہ ایک بہت نیک نام اور اچھی لڑکی ہے۔ بہت سمجھ دار، بہت گہری اور بہت محبت کرنے والی ہستی ہے۔"

"مگر یار! وہ شادی سے پہلے چاہتی ہے کہ میں ایک معاہدہ کروں، جس کی رو سے وہ میرے کاروبار کا تمام منافع حاصل کرے گی اور اسے اپنے اکاؤنٹ میں رکھے گی اور مجھے صرف جیب خرچ دیا کرے گی۔"

"تم خود سمجھ دار ہو۔ وہ دودھ کی جلی ہے۔ اپنے باپ کی بے راہ روی دیکھ چکی ہے مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں صرف اپنا بنائے رکھنے کے لئے ایسا معاہدہ کرنا چاہتی ہے۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ تم ہمارے اس بینک میں اپنا کاروباری اکاؤنٹ کھول لو۔ کبھی تمہیں قرضے کی ضرورت پڑے گی تو میری کوششوں سے تمہیں قرضہ

مل جائے گا۔ ویسے آئندہ مشتری کے اکاؤنٹ میں تمہارے کاروبار کا منافع رہا کرے گا تو میں قرضے وغیرہ کے سلسلے میں تمہارے کام آتا رہوں گا۔"

صفدر بخاری اس سے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد بینک سے چلا آیا۔ فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے سوچنے لگا۔ "جب کوئی کاروبار ہی نہیں ہے تو میں مشتری کو مطمئن کرنے کے لئے پارٹنرشپ کے کاروبار کا معاہدہ کہاں سے لا کر دکھاؤں گا۔ ویسے معاہدہ تو جعلی بھی بن سکتا ہے مگر اسے منافع کی رقم کہاں سے لا کر دے سکوں گا۔"

وہ کنگال تھا۔ بڑی مشکلوں سے اپنے اخراجات پورے کرتا تھا۔ جھوٹی شان دکھانے اور بڑی بڑی ڈینگیں مارنے کا یہ نتیجہ سامنے آرہا تھا کہ پانچ لاکھ ستر ہزار روپے کی اسامی ہاتھ سے نکل رہی تھی اور یہ تو صرف بینک بیلنس تھا۔ اس کے علاوہ پتا نہیں اس نے اور کتنے لاکھوں کی جائیداد بنائی ہوگی۔

اب اسے کسی طرح بھی حاصل کرنے کے لئے صفدر کے اندر طوفانی ہلچل پیدا ہوگئی تھی۔ وہ امپورٹر ایکسپورٹر دوست کے پاس آیا۔ اسے تمام حالات بتا کر بولا۔ "وہ بہت دولت مند ہے کسی طرح وہ میری بیوی بن جائے گی تو سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ میں اس کا شوہر بن جاؤں۔ مجھے بعد میں جو دولت ملے گی' اس میں سے تمہیں بھی حصہ دوں گا۔"

"مجھے جائز کاروبار سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی رہتی ہے پھر میں حرام کیوں کھاؤں؟ تم میرے دوست ہو۔ اس ناطے سے میں نے کئی بار تمہیں سمجھایا ہے کہ معقول آمدنی کے لئے کوئی اچھا سا کاروبار کرو یا میرے ساتھ رہ کر میرے کاروبار کو سمجھو لیکن تم یہاں صرف میرا ٹیلی فون استعمال کرنے اور ڈینگیں مارنے کے لئے آتے رہے۔ تمہارے کہنے سے میں نے تمہاری محبوبہ یا ہونے والی بیوی سے جھوٹ کہہ دیا کہ تم میرے بزنس پارٹنر ہو لیکن میں اتنا نادان نہیں ہوں کہ یہی بات معاہدہ کی صورت میں تمہیں لکھ کر دوں۔ پلیز مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرو۔"

اس نے مایوس ہو کر سر جھکا لیا۔ وہ دوست کام آنے والا نہیں تھا اور کہیں سے بات بنتی نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی

بجنے لگی۔ اس نے سوچا۔ "شاید میرا فون ہے۔ شاید مشتری نے مجھے یاد کیا ہوگا۔"

اس کے بزنس مین دوست نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو میں محمد یعقوب بول رہا ہوں۔"

اس نے خاموش رہ کر دوسری طرف کی باتیں سنیں پھر سخت لہجے میں کہا۔ "یہ کیا بکواس ہے۔ تم نے پانچ لاکھ روپے بینک میں جمع کیوں نہیں کرائے؟"

وہ پھر دوسری طرف کی باتیں سننے لگا اور کہنے لگا۔ "ہوں' اچھا' ہاں ٹھیک ہے۔ یہ تم نے اچھا کیا ہے۔ رقم کو سنبھال کر رکھو۔ میں شام کو سات بجے تک آؤں گا۔ یہاں چھ بجے جدہ سے ایک اہم فون آنے والا ہے۔ اسے اٹینڈ کرکے ہی آؤں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا پھر بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔ "پتا نہیں یہاں کی پولیس کیا کرتی ہے۔ ڈاکو بڑی دلیری سے بینک لوٹ کر چلے جاتے ہیں اس کے بعد پولیس والے سگریٹ پھونکتے ہوئے اور پان چباتے ہوئے پہنچتے ہیں۔"

صفدر نے پوچھا۔ "کیا کہیں ڈاکا پڑا ہے؟"

"ہاں۔ تمہاری بھابی......... بینک میں پانچ لاکھ روپے جمع کرنے جا رہی تھیں۔ ہمارے نصیب اچھے تھے کہ بینک میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ وہاں سے کچھ دور تھیں تب ہی فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں۔ وہاں بھگدڑ شروع ہوگئی۔ پتا چلا ڈاکو بینک سے رقم لوٹ کر ایک گاڑی میں فرار ہو رہے ہیں۔ انہیں روکنے کی کسی میں جرأت نہیں تھی۔ تمہاری بھابی فوراً ہی واپس ہو کر اپنی کار میں آگئیں۔ رقم واپس گھر لے گئیں۔"

صفدر نے کہا۔ "رقم تو آنی جانی چیز ہے شکر کرو' بھابی کی جان بچ گئی۔ اگر وہ بینک کے اندر ہوتیں تو فائرنگ کی زد میں آسکتی تھیں۔"

وہ بول رہا تھا مگر اس کے دماغ میں پانچ لاکھ روپے چکرا رہے تھے۔ اگر یہ رقم اس کے ہاتھوں میں ہوتی تو وہ بڑی ہیرا پھیری سے مشتری کا اعتماد حاصل کرکے اسے اپنی شریک حیات بنا سکتا تھا۔

اس کے دماغ میں جلدی جلدی مختلف قسم کے منصوبے پکنے لگے پھر اس نے دوست سے پوچھا۔ "یعقوب! تمہیں بھابی کی سلامتی سے کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ کچھ

بتاؤ؟"

"میں اپنی وائف سے محبت کرتا ہوں۔ اس کی جان کے صدقے میں ایک بکرے کی قربانی دوں گا۔"

"دوست! میں بکرے سے زیادہ مسکین ہوں۔ بکرے کی جان لینے کی بجائے انسان کے کام آؤ۔ ابھی مجھے تین ہزار روپے کی سخت ضرورت ہے۔ بھابی کی جان کا صدقہ سمجھ کر دے دو۔"

"تم نے پہلے کے دو ہزار روپے اب تک واپس نہیں کیے۔ بہرحال تم میری وائف کی جان کا صدقہ مانگ رہے ہو۔ میں انکار نہیں کروں گا۔"

اس نے میز کی ایک دراز کھول کر تین ہزار روپے نکالے۔ صفدر بخاری نے اپنی جگہ سے اٹھ کر رقم لیتے ہوئے کہا۔ "تم واقعی وقت پر کام آنے والے دوست ہو۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

وہ رقم جیب میں رکھ کر اس کمرے سے دوسرے کمرے میں آیا۔ وہاں ایک اکاؤنٹنٹ بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا۔ اس نے صفدر کو جاتے دیکھ کر سلام کیا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ صفدر باہر آ کر ایک ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "سہراب گوٹھ چلو۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ ان دنوں سہراب گوٹھ میں آپریشن کلین اپ نہیں ہوا تھا۔ وہاں باڑہ مارکیٹ قائم تھی۔ بیرونی ممالک کی اسمگل کی ہوئی چیزیں سستے داموں مل جایا کرتی تھیں لیکن وہ باڑہ مارکیٹ ہیروئن کی پڑیا اور اسلحے کی فروخت کے باعث بدنام ہو گئی تھی۔

صفدر بخاری نے وہاں سے اڑھائی ہزار میں ایک ریوالور اور چھ بلٹس خریدے پھر ریوالور کو لوڈ کر کے لباس میں چھپا لیا۔ وہاں سے شام کے چار بجے بہن کے گھر آیا۔ بہنوئی اس وقت موجود نہیں تھا۔ اس نے بہن سے کہا۔ "میں نمبر ڈائل کرتا ہوں۔ تم ریسیور کان سے لگا کر رکھو۔ دوسری طرف سے کوئی بولے تو جواب میں کہنا کہ تم احمد علی کے محلے سے بول رہی ہو۔ احمد علی کی والدہ ایک بس سے ٹکرا کر بری طرح زخمی ہو گئی ہے۔ اسے لانڈھی کے ضیاء کلینک میں پہنچایا گیا ہے۔ پلیز آپ احمد علی

کو فوراً بھیج دیں۔"

بہن کچھ باؤلی قسم کی ایب نارمل سی تھی جو جیسا کہتا تھا' کسی بحث کے بغیر ویسا ہی کرتی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ صفدر نے نمبر ڈائل کیے پھر بہن کے پاس آ کر اس کے سر سے سر لگا کر ریسیور کی آواز سننے لگا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو۔ میں محمد یعقوب بول رہا ہوں۔"

اس باؤلی کو جیسا کہا گیا تھا' وہ ویسی ہی باتیں کہنے لگی پھر یعقوب کی آواز آئی۔ "میں ابھی احمد علی کو یہاں سے فارغ کر کے بھیج رہا ہوں۔"

صفدر نے بہن سے ریسیور لے کر کریڈل پر رکھ دیا' پھر کہا۔ "شاباش' تم بہت اچھی ہو۔ کون کہتا ہے کہ ایب نارمل ہو؟"

"آپ کے بہنوئی طعنے دیتے ہیں کہ میرے سر میں بھیجا نہیں ہے اگر ہے تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ میری یادداشت بہت کمزور ہے۔ میں بہت سی باتیں بھول جاتی ہوں۔"

"بہت اچھا کرتی ہو۔ یہ فون والی بات بھی بھول جاؤ۔ اپنے میاں سے اس کا ذکر نہ کرنا۔"

وہ بہن کے گھر سے نکلا۔ ایک ٹیکسی کے ذریعے پھر اپنے دوست یعقوب کے دفتر میں پہنچ گیا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ آس پاس کے دفاتر بند ہو رہے تھے۔ اس عمارت کی تیسری منزل پر صرف دو کمرے تھے جس میں یعقوب نے دفتر قائم کیا تھا۔ وہ پہلے کمرے میں پہنچا تو اکاؤنٹنٹ احمد علی نہیں تھا۔ وہ ماں کے حادثے کی خبر سنتے ہی چلا گیا تھا۔ صفدر نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ یعقوب نے اپنے کمرے سے پوچھا۔

"کون ہے؟"

وہ کمرے میں آ کر بولا۔ "میں ہوں' تمہارے تین ہزار روپے کے احسان کا بدلہ چکانے آیا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے لباس سے ریوالور نکال کر اس کا نشانہ لیا۔ وہ حیرانی سے بولا "یہ کیا حرکت ہے؟ کیا یہ اصلی ہے؟ ایسا مذاق کیوں کر رہے ہو؟"

"تم سے تین ہزار لے سہراب گوٹھ گیا تھا۔ وہاں سے یہ لایا ہوں۔ ایک گولی

چلے گی تو اس کے اصلی ہونے کے یقین کرنے کا وقت گزر چکا ہو گا۔"

"تم یہ ریوالور دکھا کر مجھ سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟ دیکھو اسے سامنے سے ہٹا کر باتیں کرو۔ ورنہ دھوکے سے گولی چل جائے گی۔"

"اس میں سے کوئی گولی دھوکے سے نہیں' میری مرضی سے چلے گی اور میری مرضی تب ہو گی جب تم اپنی مرضی سے پانچ لاکھ روپے نہیں دو گے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ وہ رقم یہاں نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں رقم تک پہنچ جاؤں گا۔ اگر چاہتا تو پہلے تمہارے گھر جا کر تمہاری وائف سے پانچ لاکھ چھین کر اسے قتل کر دیتا لیکن اِدھر تم زندہ رہ کر مجھ پر شبہ کرتے اب اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو جیسا میں کہوں ویسا کرتے جاؤ۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں ابھی فون پر تمہاری وائف سے کہہ رہا ہوں کہ تم اغوا کیے گئے ہو۔ پانچ لاکھ روپے تاوان ادا کرنے کے بعد ہی زندہ اپنے گھر پہنچو گے پھر تم فون پر اپنی وائف سے کہو گے کہ تمہیں اغوا کر کے کسی نامعلوم جگہ چھپایا گیا ہے اگر وہ اس سلسلے میں پولیس سے رابطہ کرے گی یا کوئی چالاکی دکھائے گی تو اسے تمہاری لاش ہی ملے گی۔"

"کیا میری وائف تاوان کی رقم لے کر یہاں آئے گی؟"

"نہیں' میں یہاں تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر منہ پر ٹیپ چپکا کر جاؤں گا۔ تم اپنی وائف سے کہو گے کہ ایک شخص اس کے پاس رقم لینے آ رہا ہے۔ میں جانتا ہوں' وہ تنہا رہتی ہے۔ صرف ایک ملازمہ تمہارے وہاں پہنچنے تک رہا کرتی ہے۔ اس سے کہو ملازمہ کو فوراً چھٹی دے کر مکان میں بالکل تنہا رہے۔ پندرہ منٹ کے بعد پھر فون کیا جائے گا۔ اگر وہ تنہا ہو گی تو اس سے کہا جائے گا کہ سامنے والے ڈرائنگ روم میں ایک بریف کیس کے اندر پانچ لاکھ روپے لے کر بیٹھے۔ بریف کیس کھلا رہے اور وہ اپنی دونوں آنکھوں پر ٹیپ چپکا لے تاکہ آنے والے شخص کو نہ دیکھ سکے۔ وہ شخص رقم لے جانے کے بعد فون پر اطلاع دے گا تو وہ اپنی آنکھیں کھول سکے گی۔"

"تم دوست ہو کر ایک پیشہ ور مجرم کی طرح بول رہے ہو۔"

"مجھ جیسے لوگ' جو محنت مزدوری نہیں کرتے اور ایک ہی واردات میں دولت

مند بن جانا چاہتے ہیں' ان کے دماغوں میں ایسی جرائم سے بھرپور تدابیر پکتی رہتی ہیں۔ بے کاری و بیروزگاری میں دن رات ایسے منصوبے سوچنے کا وقت ملتا رہتا ہے۔ اس لئے تو بڑی آسانی سے جرائم ہونے لگے ہیں۔"

اس نے ریسیور ایک ہاتھ سے اٹھایا۔ دوسرے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس کے حکم پر یعقوب نے اپنے گھر کے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ ہونے پر اس کی وائف کی آواز سنائی دی۔ صفدر بخاری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہم تمہیں یہ بری خبر سنا رہے ہیں کہ تمہارے شوہر محمد یعقوب کو اغوا کیا گیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی تم پولیس سے رابطہ کرو گی یا تاوان کی رقم ادا کرنے کے دوران کوئی چالاکی دکھاؤ گی تو یعقوب تمہیں زندہ نہیں ملے گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "تم کون ہو؟ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ......"

وہ بات کاٹ کر بولا۔ "یقین آ جائے گا' لو اپنے شوہر سے باتیں کرو۔"

اس نے ریسیور بڑھایا۔ یعقوب نے ریسیور لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "شاہدہ! میں ہوں تمہارا یعقوب۔ یہ درست ہے کہ مجھے اغوا کیا گیا ہے۔ ابھی میں جہاں ہوں' وہاں کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکوں گا۔ میرے سامنے بھرا ہوا ریوالور ہے۔ تم مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو اس شخص کے احکامات کی تعمیل کرتی رہو۔ نہ پولیس سے رابطہ کرو اور نہ ہی اپنی ملازمہ کو رازدار بناؤ۔ اسے ابھی اور اسی لمحہ میں چھٹی دے کر مکان سے باہر جانے دو اور خود تنہا رہو۔"

"میں آپ کی جان بچانے کے لئے سب کچھ کروں گی لیکن یہاں تنہائی میں ڈر لگے گا۔"

"دل سے خوف نکال دو۔ ایک شخص تمہارے پاس آئے گا اور تم سے پانچ لاکھ لے جائے گا۔ تم احکامات پر عمل کرتی رہو گی تو وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

صفدر بخاری نے اس سے ریسیور چھین کر اپنے کان سے لگا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم اور تمہارا شوہر دونوں ہی زندہ سلامت رہو گے۔ ریسیور ایک طرف

رکھ کر ملازمہ کو بلاؤ اور اسے گھر جانے کی چھٹی دو۔"

بیگم نصرت نے ملازمہ کو آواز دی پھر کہا۔ "میں ابھی گھر لاک کر کے باہر جاؤں گی۔ تم جاؤ چھٹی کرو۔"

ملازمہ کی آواز آئی۔ "چولہے پر سالن چڑھا ہے میں اسے بھون کر چلی جاؤں گی۔"

"جب میں کہہ رہی ہوں کہ مجھے کہیں جانا ہے تو تم بھی فوراً جاؤ۔ میں بعد میں سالن بھون لوں گی۔"

"جی اچھا' میں جا رہی ہوں۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر بیگم یعقوب کی آواز سنائی دی۔ "ملازمہ چلی گئی ہے۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا ہے۔ بولو اب کیا کروں؟"

صفدر نے اسے ہدایات دیں کہ آئندہ کیا کرتے رہنا ہے پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ یعقوب نے پوچھا۔ "اب میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر جاؤ گے؟ کیا میری مالکن آ کر مجھے یہاں سے لے جائے گی؟"

"اگر زندہ لے جائے گی تو تم اسے اور پولیس والوں کو میرا یہ کارنامہ بتا دو گے۔ تمہاری زبان بند رہے گی تو میں قانون کی گرفت میں کبھی نہیں آؤں گا۔ لہٰذا تمہیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جانا چاہئے۔"

یہ کہتے ہی اس نے ایک صوفے پر پڑے ہوئے چھوٹے سے کشن کو اٹھایا۔ ایسے اضافی کشن عام طور پر صوفوں کی پشت پر رکھے رہتے ہیں۔ اس نے ریوالور کو اس کشن سے لپٹ لیا۔ اس کی نال کا رخ یعقوب کی طرف تھا۔ وہ گھبرا کر کرسی سے اٹھ کر بولا۔ "یہ..... یہ کیا کر رہے ہو؟"

ایسا کہتے ہی وہ چیخنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی گولی چل گئی۔ فائر کی آواز ابھری لیکن کشن کے باعث اس کمرے کی چار دیواری تک محدود رہی۔ اس نے دوسرا فائر کیا۔ چونکہ اناڑی تھا۔ اس لئے پہلا نشانہ خطا ہوا۔ دوسری گولی شانے پر لگی۔ وحشت کے مارے یعقوب کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ میز کے پیچھے چھپنے کے لئے جھکنا چاہتا تھا۔ اسی وقت تیسری گولی اناڑی پن سے ہی اس کی پیشانی پر لگی اور وہ پیچھے

کی طرف الٹ کر فرش پر ٹھنڈا پڑ گیا۔

صفدر نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے۔ دراز کھول کر دیکھا۔ اس میں کچھ نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے گڈیوں کو جیبوں میں بھر لیا۔ ریسیور اور میز وغیرہ سے انگلیوں کے نشانات مٹا دیئے پھر وہاں سے نکل کر دفتر کے بیرونی دروازے کو بند کر کے تالا لگا دیا۔

وہ منصوبے کے مطابق مقتول دوست کے مکان کے سامنے پہنچا۔ مکان کے اندر اور باہر اس کے حکم کے مطابق ہی تمام لائٹیں بجھا دی گئی تھیں۔ وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا بیرونی دروازے پر آیا۔ بیگم یعقوب نے اسے کھلا رکھا تھا۔ وہ دبے قدموں سے چلتا ہوا نیم تاریکی میں اندر آیا۔ دور سے سڑک کی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ بیگم یعقوب آنکھوں پر ٹیپ چپکائے اپنے سامنے سینٹر ٹیبل پر کھلا ہوا بریف کیس رکھے بیٹھی تھی۔

دبے قدموں چلنے کے باوجود جوتوں کی چاپ سنائی دی۔ بیگم یعقوب نے پوچھا۔

"کون ہے؟"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "خاموش رہو اور زندہ رہو۔ ایک گھنٹے کے اندر تمہارا شوہر بھی تمہیں زندہ سلامت ملے گا۔"

وہ خاموش بیٹھی رہی۔ اس نے نیم دھندلی سی روشنی میں بریف کیس کے اندر نوٹوں کی گڈیاں دیکھیں۔ اس بریف کیس کو بند کیا پھر اسے بغل میں داب کر دروازے تک آیا۔ وہاں سے پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "پانچ سو تک گنتی پڑھتی رہو گنتی پوری ہو جائے تو آنکھوں سے ٹیپ ہٹا دینا۔ ابھی تمہارا شوہر پہنچنے والا ہے۔"

وہ اس مکان سے نکل آیا۔ جس دوست کے ساتھ وہ ایک مکان کے کرائے میں حصے دار بن کر ایک کمرے میں رہتا تھا' وہ دوست رات کے نو بجے سے صبح پانچ بجے تک کے لئے ڈیوٹی پر جاتا تھا اور دروازے پر تالا لگا دیا کرتا تھا۔ اس تالے کی دوسری چابی صفدر کے پاس رہتی تھی وہ رات کے نو بجے کے بعد اس مکان میں آیا تاکہ دوست کو اس خزانے کا علم نہ ہو' جو وہ ساتھ لایا تھا۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کر کے بریف کیس کی رقم گنی۔ پورے پانچ لاکھ روپے تھے۔ دفتر کے دراز سے جو گڈیاں چھپا کر لایا تھا وہ چالیس ہزار سے کچھ زیادہ تھے۔ اس رات وہ خاصا مالدار ہو گیا

تھا۔ اس نے تمام رقم کو بستر کے نیچے چھپا دیا پھر آئینے کے سامنے آکر خود کو دیکھنے اور حیرانی سے سوچنے لگا کہ آج اس نے اتنی بڑی واردات کیسے کی؟ اگرچہ دولت حاصل کرنے کے لئے تصور میں وہ کسی سے رقم چھین لیتا تھا' بینکوں میں ڈاکے ڈالا کرتا تھا اور اسمگلنگ کے ذریعے لاکھوں کروڑوں روپے حاصل کیا کرتا تھا مگر وہ عملی طور پر بھی ایسا کر گزرے گا' اس نے یہ کبھی نہ سوچا تھا۔

☆-------☆-------☆

مشتری کی کشش نے سوچنے کی مہلت نہیں دی تھی۔ سائنسدانوں کی رپورٹ کے مطابق سیارچے 60 کلو میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے آکر مشتری کی سطح سے ٹکرائیں گے۔ اسی رفتار سے سیارچہ 'صفدر' مشتری کی سمت کھنچتا جا رہا تھا۔ وہ پانچ لاکھ روپے جیسی بڑی رقم اپنے باپ کو بھی کبھی نہ دیتا لیکن مشتری کو اس لئے دینا چاہتا تھا کہ ان پانچ لاکھ کے ذریعے اس کے بائیس لاکھ ستر ہزار روپے اپنی طرف کھینچ سکتا تھا۔

اس نے کمرے سے نکل کر دروازے کو مقفل کیا پھر مکان سے باہر آکر دروازے پر تالا لگایا۔ اس کے بعد پی سی او میں آکر اپنے بینک منیجر دوست سے رابطہ کیا پھر اس سے کہا۔ "میرے پاس مشتری کا کوئی کونٹیکٹ نمبر نہیں ہے۔ کیا تم اسے پیغام پہنچا سکتے ہو کہ میں ابھی اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے اپنے گھر پر بلائے یا تمہارے ہاں آکر مجھ سے ملاقات کرے۔"

بینک منیجر دوست نے کہا۔ "پندرہ منٹ بعد پھر فون کرو۔ میں مشتری کا جواب تمہیں سنا سکوں گا۔"

وہ وہیں پی سی او میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ پندرہ منٹ کے بعد دوبارہ رابطہ کرنے پر دوست نے اسے ایک فون نمبر نوٹ کرایا پھر کہا۔ "اس نمبر پر تم اس سے باتیں کر سکو گے۔"

اس نے نوٹ کیے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو اس کی آواز سنائی دی۔ وہ سرد آہ بھر کر بولا۔ "یوں لگتا ہے جیسے میں صدیوں کے بعد تمہاری رس بھری آواز سن رہا ہوں۔"

اس کی ہنسی سنائی دی پھر وہ بولی۔ "ہاں آگے بولو!"

"میں ابھی تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ بہت ضروری کام ہے۔"

"اس وقت ساڑھے دس بجے ہیں۔ تم آؤ گے تو آدھی رات ہونے لگے گی۔ بہتر ہے صبح ملاقات کرو۔"

"یہ ملاقات ابھی ضروری ہے۔ اگر تنہائی میں ملاقات نہ کرنا چاہو تو اپنی سہیلی کے ہاں چلی آؤ۔"

"ملاقات اتنی ہی ضروری ہے تو میرے گھر چلے آؤ اور پتا نوٹ کرو۔"

اس نے پتا نوٹ کیا پھر کہا۔ "میں ایک گھنٹے کے اندر پہنچ رہا ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا پھر اپنے مکان میں آیا۔ اپنے کمرے کے دروازے کو بند کر کے تمام نوٹوں کو بستر سے نکال کر دوبارہ بریف کیس میں رکھا۔ بڑی تیزی سے غسل کیا پھر لباس تبدیل کیا۔ جلدی کے باوجود یہ سب ضروری تھا کیونکہ معشوق سے ملنے جا رہا تھا۔ اس نے لباس پر پرفیوم اسپرے کیا پھر کمرے کے اور مکان کے دروازوں کو مقفل کر کے بریف کیس اٹھائے باہر آیا۔ اس کے بعد ایک ٹیکسی والے کے پاس آکر کہا۔

"بہادر آباد چلو"

بہادر آباد میں لکھ پتی اور کروڑ پتی لوگ رہا کرتے ہیں۔ مشتری بانو بھی جس کوٹھی میں رہتی تھی اس کی قیمت پندرہ لاکھ روپے ہوگی۔ وہ احاطے کے گیٹ کے باہر ٹیکسی سے اتر گیا۔ نائٹ چوکیدار سے بولا۔ "میں مس مشتری بانو سے ملنے آیا ہوں۔ میرا نام صفدر بخاری ہے۔"

چوکیدار کو مشتری نے پہلے ہی یہ نام بتا دیا تھا۔ اس نے گیٹ کا چھوٹا ضمنی دروازہ کھول دیا پھر کال بیل کے بٹن کو دبا دیا۔ وہ کوٹھی کے برآمدے میں پہنچا۔ دروازے پر لگے ہوئے اسپیکر سے آواز آئی۔ "اندر چلے آؤ۔ دروازہ کھلا ہے۔"

وہ دروازہ کھول کر اندر آیا۔ وہ ڈرائنگ روم میں تھی۔ شب خوابی کے لباس میں بدن جاگتا ہوا سا لگ رہا تھا اور یہ احساس دلا رہا تھا کہ شب خوابی کا لباس اس کے لئے ہے' جو شوہر بن کر آئے گا۔ وہ بولی۔ "آؤ بیٹھو۔ مجھ سے ایسا کیا ضروری کام پڑ گیا ہے؟"

وہ بریف کیس کو سینٹر ٹیبل پر رکھ کر بولا۔ "تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔ آج

میں نے تمہاری خاطر اپنے پارٹنر سے جھگڑا کیا ہے۔ وہ اس بات پر راضی نہیں ہو رہا تھا کہ میں اپنے حصے کا منافع تمہارے نام لکھ دوں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس طرح تین پارٹنر ہو جائیں گے اور وہ کاروبار میں کسی تیسرے کا متحمل نہیں ہے۔"

"پھر تم نے کیا کہا؟"

"کہنا کیا تھا؟ میں نے کہا۔ میں ہر حال میں مشتری بانو سے تحریری معاہدہ کروں گا اور اپنا منافع اپنے ہونے والی بیوی کے نام لکھوں گا۔ اگر اسے منظور نہیں ہے تو کاروبار میں لگائی ہوئی میری رقم واپس کر دے۔ وہ بھی شاید مجھے اپنے کاروبار سے الگ کرنے کی پلاننگ کر چکا تھا۔ اس لئے اس نے فوراً ہی میرے پانچ لاکھ روپے واپس کر دیئے۔"

مشتری نے کن انکھیوں سے بریف کیس کو دیکھا پھر پوچھا۔

"اچھا تو تمہارے پانچ لاکھ تمہیں واپس مل گئے ہیں؟"

"ہاں میں تمہیں پارٹنر شپ کے کاغذات دکھانا چاہتا تھا۔ اپنے حصے کا منافع تمہارے نام لکھنا چاہتا تھا لیکن یہ سب کچھ نہ کر سکا۔ تمہارا اعتماد حاصل کرنے کے لئے یہ پانچ لاکھ روپے تمہارے لئے لایا ہوں۔"

وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "تم واقعی ثابت کر رہے ہو کہ مجھ سے سچی محبت کرتے ہو اور شادی کے بعد صرف میرے ہی بن کر رہو گے لیکن............"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ صفدر نے پوچھا۔ "لیکن کیا؟ یہ رقم کیا قبول نہیں کرو گی؟"

"ضرور کروں گی لیکن کل ایک اسٹامپ پیپر لے آؤ اور اس پر لکھ دو کہ تم نے آج کی تاریخ میں مجھے پانچ لاکھ روپے دیئے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے ہماری شادی نہ ہو سکی تو میں یہ رقم تمہیں واپس کر دوں گی اور اگر شادی ہو جائے گی تو ایک شریک حیات کے رشتے سے یہ رقم میرے اکاؤنٹ میں رہے گی۔"

"میں اپنی خوشی سے اپنی ساری کمائی تمہیں دے رہا ہوں۔ اس سلسلے میں لکھنا کیا ضروری ہے؟"

"میں ہمیشہ پکا کام کرتی ہوں۔ خود غرض کہلانا نہیں چاہتی۔ تمہاری تحریر ہم دونوں کے پاس رہے گی اور یہ ثبوت رہے گا کہ یہ پانچ لاکھ میں نے تم سے لئے ہیں اور یہ تمہارے ہی رہیں گے۔"

صفدر نے سوچا' یہ حسینہ خود غرض نہیں ہے۔ میری اتنی بڑی رقم کو تحریری معاہدے کے ذریعے میری ہی رکھنا چاہتی ہے۔ وہ بولا۔ "اچھی بات ہے' کورٹ کے کاغذات پر کیا لکھنا ہو گا؟ ایک مختصر سا مضمون ابھی لکھوا دو۔ میں یہ مضمون اسٹامپ وینڈر کے منشی سے قانونی الفاظ میں لکھوا لوں گا۔"

وہ بولی۔ "مضمون کوئی خاص نہیں ہے۔ بس اتنا لکھوا کر اپنے دستخط کرو کہ تم نے اپنے بزنس پارٹنر یعقوب سے پارٹنر شپ ختم کر لی ہے۔ کاروبار میں لگائے ہوئے پانچ لاکھ روپے تمہیں یعقوب نے واپس کر دیئے ہیں اور یہ رقم تم میرے پاس امانت کے طور پر رکھ رہے ہو۔"

صفدر نے کہا۔ "اس میں یعقوب کا اور کاروبار کا ذکر کیا ضروری ہے۔ میں صرف اتنا لکھ دوں گا کہ اپنے پانچ لاکھ تمہیں دے رہا ہوں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں' یہ وضاحت ضروری ہے کہ جو رقم میرے پاس امانت رکھ رہے ہو' اسے کہاں سے لے کر آئے ہو۔ دیکھو میرے ابا بڑے نوسر باز تھے۔ بڑی ہیرا پھیری اور شرافت سے دوسروں کو الو بناتے تھے۔ میں تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں لیکن بھروسہ کرتے کرتے کروں گی۔"

وہ ابتدا ہی سے ڈینگیں مارتا رہا تھا کہ امپورٹ ایکسپورٹ کے کاروبار میں یعقوب کا پارٹنر ہے اب یہی بات لکھنے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرے دن اس نے پکے کاغذات پر یہ سب کچھ اس لئے لکھ دیا کہ یعقوب کے قتل کا الزام اس پر نہیں آسکتا تھا۔ اس کے خلاف کوئی ثبوت' کوئی چشم دید گواہ نہیں تھا۔

اس تحریر کی ایک نقل اس نے اپنے پاس رکھی اور اصل مشتری کو دے دی پھر دوپہر کو یعقوب کے دفتر گیا۔ وہاں پولیس والے تھے۔ اس نے اکاؤنٹنٹ احمد علی سے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے۔ اس نے انسپکٹر سے صفدر کو متعارف کرایا پھر بتایا کہ کسی نے یعقوب کو قتل کر دیا ہے۔ صفدر مگرمچھ کے آنسو رونے لگا۔ پولیس والوں نے احمد علی

اور صفدر کو تھانے میں لے جا کر ان کے بیانات قلمبند کرائے۔ یعقوب کی بیوہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس نے بیان دیا کہ مقتول یعقوب اپنے اکاؤنٹنٹ اور اپنے دوست صفدر کی اکثر تعریفیں کیا کرتا تھا پھر صفدر اور احمد علی کے خلاف کوئی ثبوت اور گواہ نہیں تھے۔ ان دونوں کے پتے نوٹ کر کے چھوڑ دیا گیا لیکن تاکید کی گئی کہ وہ تفتیش مکمل ہونے اور قاتل کے گرفتار ہونے تک شہر سے باہر نہ جائیں۔

تفتیش جاری رہی۔ قاتل گرفتار ہونے والا نہیں تھا۔ وہ دولہا بن گیا تھا۔ مشتری سے اس کی شادی ہو گئی۔ شادی کی رات صفدر بخاری نے اس حسینہ کا گھونگھٹ اٹھا کر اس کے حسن کی تعریفیں کیں اور کہا۔ "آج تک کسی حسینہ نے مجھے اپنی طرف مائل نہیں کیا۔ تم میری زندگی کی پہلی حسین ساتھی ہو۔ سہاگ رات سے نئی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس لئے میاں بیوی کو ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں بولنا چاہئے۔ تم بھی اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔ کیا تم مجھ سے پہلے کسی اور سے بھی متاثر ہوئی تھیں؟"

وہ بولی۔ "میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ تم پہلے شخص ہو جس سے میں بہت زیادہ متاثر ہوئی ہوں۔ میں دل و جان سے تمہیں چاہتی ہوں۔ اسی لئے تم سے نکاح پڑھوایا ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ نکاح سے پہلے 19 پیار بچے میری زندگی میں آچکے ہیں۔ تم بیسویں پیار بچے ہو۔"

وہ ذرا سٹپٹایا۔ نئی دلہن سے ایسی کسی بات کی توقع نہیں تھی۔ وہ مسکرا کر بولا۔ "تم بھی خوب مذاق کرتی ہوں۔ ایک دو نہیں 19 عاشقوں کا ذکر کر رہی ہو!"

"یہ مذاق نہیں' حقیقت ہے۔ میرے دور اور نزدیک کے رشتے داروں میں 19 نوجوان میرے دیوانے تھے۔ اب کچھ دیوانے ہیں اور کچھ میری خاطر جان پر کھیل گئے ہیں۔ یعنی ان میں سے دو مر گئے۔ تیسرا پاگل ہو گیا۔ چار عاشق ایسے ہیں جو میری خاطر دولت کمانے کے لئے منشیات کا دھندا کرتے ہیں۔ ان چاروں نے اب تک مجھے دس لاکھ روپے دیئے ہیں لیکن افسوس اس دھندے میں خود نشے کے عادی ہو گئے ہیں۔ باقی بارہ عاشقوں کو میں نے کہہ دیا ہے جو میرے لئے ایک کوٹھی اور ایک کار خریدے گا اور میرے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ جمع کرائے گا میں اس سے شادی کروں

گی۔"

صفدر نے پوچھا۔ "کیا اسی طرح تم اپنا بینک بیلنس بڑھا رہی ہو۔ میں حیران ہوں کہ تم اپنے لالچ کو کتنی بے حیائی سے بیان کر رہی ہوں۔"

"تم الٹی بات کر رہے ہو۔ لالچی میں نہیں ہوں بلکہ وہ ہیں' جو سچا عاشق ظاہر کرتے ہیں لیکن ان کی نظریں میری دولت اور جائیداد پر رہتی ہیں۔ وہ صرف پانچ لاکھ مجھے دے کر میرے شوہر بن کر میرے بائیس لاکھ ستر ہزار کے بینک بیلنس اور لاکھوں کی جائیداد کے بالواسطہ حقدار بننا چاہتا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے حادثاتی موت مار دیں اور شوہر کی حیثیت سے مرحومہ بیوی کی دولت اور جائیداد کے مالک بن جائیں۔"

صفدر نے کہا۔ "میں نے تمہیں پانچ لاکھ دیئے ہیں۔ تم مجھے لالچی ہونے کا طعنہ دے رہی ہو؟"

"میں بے جھجک اپنے 19 عاشقوں کا ذکر کر چکی ہوں۔ اگر تم لالچی نہیں ہو تو غیرت میں آؤ اور مجھے طلاق دے دو۔"

صفدر تھوڑی دیر تک اس کا منہ تکتا رہا پھر بولا۔ "تم کئی بار اپنے والد کا ذکر کر چکی ہو۔ باپ کی بے راہ روی کے باعث تمہارے اندر مرد کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ تم سب کو لالچی اور قابلِ نفرت سمجھتی ہو۔ جبکہ میں نے خلوص نیت سے تمہیں اپنی شریک حیات بنایا ہے۔"

"ایک خلوص وہ ہوتا ہے جو خدا بندے کے دل میں پیدا کرتا ہے اور ایک خلوص یہ ہے جو میں اپنے چاہنے والوں کے دل میں پیدا کرتی ہوں۔ میں نے تمہارے دل میں بھی یہ جذبہ پیدا کیا اور تم بڑے خلوص سے میرے لئے ایک ہی دن میں پانچ لاکھ لے آئے جبکہ تمہارا نہ کوئی کاروبار تھا اور نہ کسی سے پارٹنر شپ تھی۔"

وہ ذرا چونکا پھر سنبھل کر بولا۔ "کیا تم مجھے جھوٹا اور فریبی سمجھ رہی ہو۔ کیا کسی کاروبار کے بغیر میں نے اتنی بڑی رقم کہیں سے چوری کی ہے۔"

"اگر تم سچے ہو تو اخبارات جھوٹے ہیں۔ میں نے ایک ہفتہ پہلے یہ خبر پڑھی کہ یعقوب کو قتل کیا گیا ہے۔ میں انتظار کر رہی تھی کہ تم کسی ملاقات میں مجھے سابقہ پارٹنر

کے قتل کی المناک خبر سناؤ گے۔"

"جب وہ پارٹنر نہ رہا۔ اس سے کوئی تعلق بھی نہ رہا اس کا ذکر تم سے یا کسی سے کیوں کرتا؟"

"ذکر کرنے سے یہ بات عام ہوتی کہ تم مقتول کے پارٹنر تھے۔ جبکہ اخبارات میں پولیس کے اور اکاؤنٹنٹ احمد علی کے بیانات کے مطابق مقتول یعقوب کا کوئی بزنس پارٹنر نہیں تھا اور مقتول کی بیوہ کے بیان کے مطابق کسی نے اس کے شوہر کو اغوا کیا تھا اور اس سے تاوان کے طور پر پانچ لاکھ روپے وصول کرنے کے باوجود اس کے شوہر کو قتل کر دیا تھا۔"

صفدر نے سوچا تھا' اس ملک کی اکثریت اخبارات نہیں پڑھتی۔ مشتری بھی نہیں پڑھتی ہوگی اور اگر پڑھتی بھی ہوگی تو اخبارات میں اکثر قاتل اور مقتول کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ یعقوب کا کوئی پارٹنر نہیں؟ ایسی تفصیلات شاید شائع نہیں ہوں گی لیکن اس سلسلے میں اس نے خود کئی غلطیاں کی تھیں۔ پہلی غلطی تو یہ کہ جس دن اسے قتل کیا' اسی رات پانچ لاکھ روپے مشتری کے حوالے کئے۔ مقتول کی بیوی کے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اتنی بڑی رقم کہاں سے اور کیسے لایا تھا؟

اس سے پوچھا۔ "کیا تم مجھ پر شبہ کر رہی ہو کہ قاتل اور تاوان کی رقم وصول کرنے والا میں ہوں۔"

"مجھے پانچ لاکھ مل گئے۔ میں آم کھاؤں گی' اس جھگڑے میں نہیں پڑوں گی کہ یہ کس درخت سے آئے اور کس طرح توڑ کر لائے گئے۔"

صفدر ذرا مطمئن ہوا اور بولا۔ "اب میں تسلیم کرنے لگا ہوں کہ تم بہت زیادہ سمجھ دار ہو اور یہ اصول جانتی ہوں کہ ہمیں صرف آم کھانے چاہئیں۔ پیڑ نہیں گننے چاہئیں۔"

"یہ صرف تمہاری بات نہیں ہے۔ میں دوسرے بیچاروں سے بھی یہ نہیں پوچھتی ہوں کہ وہ کہاں سے رقم لاتے ہیں۔ کبھی دس ہزار' کبھی پچیس ہزار اور کبھی پچاس ہزار تک لاتے ہیں۔ یوں قسطوں میں میرے پاس پانچ لاکھ روپے جمع کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔"

"لیکن اب تو ہماری شادی ہو چکی ہے۔ وہ جو بارہ عاشق باقی رہ گئے ہیں' وہ تمہیں پانچ لاکھ دے کر ساری زندگی تمہاری دولت سے عیش کرنا چاہتے تھے۔ میں تمہارا شوہر بن چکا ہوں کیا وہ لوگ تم سے مایوس نہیں ہوئے ہیں؟"

"انہوں نے مجھ سے یہی شکایت کی تھی کہ میں انہیں دھوکا دے کر تم سے شادی کر رہی ہوں لیکن میں نے جواباً انہیں سمجھایا ہے کہ میں اپنی زبان پر قائم ہوں۔ جو پانچ لاکھ روپے پورے کرے گا اس سے شادی کروں گی۔ تم نے پہلے یہ رقم پوری کی' اس لئے تم سے شادی ہو گئی۔ تمہارے بعد جو رقم پوری کرے گا' اس سے شادی کرنے کے لئے تم سے طلاق لوں گی۔"

وہ چونک کر بولا۔ "یہ کیا بکواس ہے تم مجھ سے طلاق لو گی؟ کیا شادی بیاہ کو کھیل سمجھ رہی ہو؟"

"یہ کھیل میں نہیں کھیل رہی ہوں۔ تم سب کھیل رہے ہو؟ کیا میں نے کسی عاشق سے یہ کہا ہے کہ وہ میری دولت کے سائے میں عیش کرنے کے لئے منشیات کا دھندا کرے۔ کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ میرا شوہر بننے کے لئے کسی کو قتل کرو۔ شادی بیاہ کھیل نہیں ہے لیکن تم سب میرے بینک بیلنس سے شادی کر رہے ہو۔ میں تو محض ایک سیڑھی ہوں جس پر چڑھ کر تم لوگ کسی خزانے تک پہنچنا چاہتے ہو۔"

"ٹھیک ہے' میں تمہاری کڑوی باتیں تسلیم کرتا ہوں لیکن تم نے کبھی یہ سوچا کہ تمہارے پاس لالچ سے آنے والوں میں تمہارے لئے کوئی خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ تمہیں قتل بھی کر سکتا ہے؟"

وہ ہنسنے لگی پھر بولی۔ "ایک دن تو مرنا ہی ہے لیکن جب بھی مروں گی عاشقوں کو ساتھ لے کر مروں گی۔ میرے بینک کے لاکر میں تمہاری وہ تحریر پکے کاغذ پر ہے کہ تم یعقوب کے بزنس پارٹنر تھے اور اس سے اپنے پانچ لاکھ واپس لے کر آئے ہو۔ اس کاغذ پر اسی دن کی تاریخ درج ہے' جس دن یعقوب کا قتل ہوا تھا اور اس کی بیوہ سے کوئی تاوان کے پانچ لاکھ روپے لے گیا تھا۔ تمہاری اس تحریر کے ساتھ میرا ایک خط منسلک ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ صفدر بخاری کی یہ کمزوری میرے پاس ہے۔ وہ مجھے قتل کر سکتا ہے۔ یا میری موت کو حادثاتی بنا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر میں طبعی موت نہ مروں

تو میرا قاتل یقینی طور پر صفدر بخاری ہو گا۔"

صفدر بخاری کو چپ سی لگ گئی۔ اس کے سامنے سہاگ کی سیج پر مشتری بانو دلہن بنی بیٹھی تھی۔ ایک تو وہ یوں بھی حسن و شباب سے مالا مال تھی۔ دوسرے مالدار بھی تھی۔ تیسری بات یہ کہ دلہن کے روپ میں اور غضب ڈھا رہی تھی۔ پہلے سے زیادہ پرکشش ہو گئی تھی۔ کشش کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اگر سیارچے 60 کلو میٹر فی سکینڈ کی رفتار سے مشتری کی سمت کھنچے چلے آئیں تو پھر انہیں اپنے انجام کے متعلق سوچنے کی فرصت مل ہی نہیں سکتی۔ صفدر کو بھی سوچنے کی فرصت نہیں ملی تھی اور جب سوچنے کا وقت گزر گیا تو سامنے برا انجام نظر آ رہا تھا۔

اعمال و اطوار انسانی کو سمجھنے کے لئے نظام شمسی کو کسی حد تک ضرور سمجھنا چاہئے۔ دنیا کے تمام سائنسدانوں نے متفقہ طور پر جو پیش گوئی کی ہے اس کے مطابق سیارچے 60 کلو میٹر فی سکینڈ کی رفتار سے آکر جب مشتری سے ٹکرائیں گے تو وہ اس دھماکہ خیز ٹکراؤ کے نتیجے میں مشتری کے اندر 300 میل تک دھنستے چلے جائیں گے۔ ان کے دھنسنے سے مشتری کے اندر سے کنکر، پتھر اور منجمد گیسوں کا الاؤ پھیل کر نکلے گا لیکن وہ تمام سیارچے سینکڑوں میل کی گہرائی تک مشتری کے اندر دھنس چکے ہوں گے وہ پھر باہر نہیں آسکیں گے۔

صفدر بخاری بھی اتنی گہرائی میں دھنس گیا تھا کہ اب مشتری کے وجود سے رہائی پا کر باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس کے ٹکرانے کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ کنکر، پتھر نکل سکتے تھے اور بہبود آبادی کے خلاف دنیا کی آبادی بڑھا سکتے تھے۔ صفدر سے پہلے 19 سیارچے بھی مشتری سے ٹکرا کر گم ہو رہے تھے۔ کچھ مر گئے تھے، کچھ پاگل ہو گئے تھے، کچھ نشے کے عادی ہو رہے تھے اور باقی پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر نکال لانے میں مصروف تھے۔

☆------☆------☆

صفدر کو سہاگ رات گزارنے کی خوشی نہیں تھی۔ کیونکہ اسے ایک دلہن پانچ لاکھ میں پڑی تھی۔ دوسری صبح اس نے سامنے والی دیوار کو دیکھا۔ وہاں ایک ناگن کی بڑی سی تصویر تھی۔ وہ ناگن کنڈلی مارے پھن اٹھائے ہوئے تھی۔ اس وقت مشتری

غسل سے فارغ ہو کر باتھ روم سے کمرے میں آئی۔ اس نے ایک بڑا سا تولیہ لپیٹ رکھا تھا۔ گورے اور شفاف بدن پر پانی کی بوندیں، شبنم کی طرح لرز رہی تھیں۔ بالکل ناگن کی طرح اس کے بدن کی جلد چکنی اور ملائم تھی۔ صفدر نے پوچھا۔ "تم نے یہ ناگن کی تصویر کیوں لگا رکھی ہے؟"

"وہ مسکرا کر بولی۔ "کیا تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟"

"سانپ سے کون نہیں ڈرتا؟ کیا تمہیں ڈر نہیں لگتا ہے؟"

"میں نے تنہا اتنی بڑی دنیا میں زندہ رہنے کے لئے اپنے اندر اتنا زہر بھر لیا ہے کہ اب زہر سے یا کسی زہریلی چال سے ڈر نہیں لگتا ہے۔ میرے اندر کا زہر اس کا توڑ کر لیتا ہے۔"

"اب تم سے یہ بات چھپی نہیں ہے کہ تمہارے باپ کی طرح میں بھی نوسرباز ہوں لیکن تم سے جو ہیرا پھیری کی اس میں ہار گیا۔ تم جیت گئیں۔ مجھے تمہاری چالاکی اور زندگی گزارنے کا طریقہ بہت پسند ہے لیکن یہ طریقہ پسند نہیں ہے کہ کوئی اور عاشق پانچ لاکھ پورے کرلے تو تم مجھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکو گی۔ کیا تم بھول جاؤ گی کہ میں نے بھی تمہیں پانچ لاکھ دیئے ہیں؟"

وہ آئینے کے سامنے جا کر ہیئر ڈرائر سے بھیگی زلفوں کو خشک کرتے ہوئے بولی۔ "اسے کرکٹ کا کھیل سمجھو۔ دوسرا کھلاڑی تمہارا اسکور پورا کرے گا تو تم ہار جاؤ گے، وہ مجھے جیت لے گا۔ اگر تم ہارنا نہیں چاہتے تو اپنا اسکور بڑھاؤ پانچ سے چھ لاکھ، سات لاکھ، آٹھ، نو اور دس لاکھ یعنی ایک ایک لاکھ کا ایک ایک رن بنائے جاؤ۔"

"تم جانتی ہو کہ میرا کوئی کاروبار نہیں ہے۔ آمدنی کا کوئی سا بھی ذریعہ نہیں ہے۔"

"جن کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، وہی ایک لاکھ کا ایک رن بناتے ہیں۔ جیسا کہ تم نے ایک ہی دن میں پانچ رن بنا کر مجھے جیت لیا ہے۔"

"وہ تو اتفاق سے ایک موقع مل گیا تھا۔"

"دولت اتفاق سے نہیں ملتی۔ موقع کی تاک میں رہنے سے ملتی ہے۔ چونکہ میں تمہیں بٹھا کر نہیں کھلا سکتی اور نہ ہی اپنے پرس سے تمہارے اخراجات پورے کر سکتی

ہوں‘ اس لئے میں تمہیں واردات کے کچھ مواقع فراہم کرتی رہوں گی۔ اگر کامیابی سے واردات کرتے رہو گے تو اپنے اخراجات بھی پورے کرتے رہو گے اور میرے اکاؤنٹ میں بھی ایک ایک رن کا اضافہ کرتے رہو گے اور اگر ناکام رہو گے تو جیتنے والا کھلاڑی تمہاری جگہ لے لے گا۔“

”تمہاری بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ کوئی میری جگہ نہ لے سکے۔ ویسے تم نے ایک مشکل پیدا کردی ہے۔ تم نے لاکر میں یہ لکھ کر رکھا ہے کہ اگر قتل کی جاؤں گی یا حادثاتی موت ہوگی تو ایسی موت کا ذمے دار مجھے ٹھہرایا جائے گا۔“

”اس میں تمہارے لئے کیا مشکل ہے؟“

”یہی کہ تمہیں کبھی کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے‘ جس میں میرا ہاتھ نہیں ہوگا۔ کوئی دل جلا عاشق تمہیں قتل کرسکتا ہے اور الزام مجھ پر آئے گا۔ تمہاری تحریر مجھ بے قصور کو مجرم اور قاتل بنا دے گی۔“

”میں نے اس لئے ایسا لکھا ہے کہ تم اپنی سلامتی کے لئے میرے جسم و جان کی حفاظت کرتے رہو۔ ایک بہت ہی محتاط اور مستعد باڈی گارڈ بن کر رہو۔ اس طرح تمہارا بھی بھلا ہوگا‘ میرا بھی بھلا ہوتا رہے گا۔“

وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ چت بھی مشتری کی تھی‘ پٹ بھی مشتری کی تھی۔ وہ اس سے ٹکرانے کے بعد 300 کلو میٹر اندر تک دھنس گیا تھا۔ وہاں سے نکل نہیں سکتا تھا۔ تقریباً چار ماہ بعد مشتری نے کہا۔ ”میرا ایک عاشق ہے۔ وہ اب تک میرے اکاؤنٹ میں چار لاکھ پچپن ہزار جمع کرا چکا ہے۔ شاید پرسوں تک وہ تمہارے اسکور سے آگے نکل جائے۔“

صفدر نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”وہ کون ہے؟ اس کا نام اور پتا بتاؤ؟“

”کیا اسے قتل کرو گے؟ تاکہ وہ باقی پینتالیس ہزار مجھے دے کر تمہیں فیلڈ سے آؤٹ نہ کردے۔“

”میں تمہیں شریکِ حیات بنائے رکھنے کے لئے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔“

”بے شک کچھ بھی کرسکتے ہو مگر میں اپنا نقصان برداشت نہیں کروں گی۔ تم

اسے قتل کرو گے تو مجھے پینتالیس ہزار کا نقصان ہوگا۔ کیا تم اسے ہلاک کرنے کے بعد اس کے حصے کی باقی رقم ادا کرو گے؟“

وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔ ”جو رقم وہ تمہیں ادا کرنے والا ہے‘ وہ اسے پرسوں تک ملے گی۔ میں وہی رقم تمہیں لاکر دوں گا۔ مجھے اتنا بتادو کہ وہ رقم کہاں سے اور کیسے حاصل کرے گا؟“

وہ بولی۔ ”آج صبح اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ آج رات تک اسے دس کلو ہیروئن ایک سپلائر سے ملے گی۔ اس نے ایک غیر ملکی باشندے سے سودا طے کیا ہے۔ اسے ساٹھ ہزار ملیں گے‘ جس میں سے دس ہزار سپلائر لے گا۔ باقی پچاس ہزار میں سے وہ مجھے پینتالیس ہزار دے کر میرے مطلوبہ پانچ لاکھ روپے پورے کر دے گا۔“

”وہ رقم میں پوری کروں گا‘ مجھے اس کا نام اور پتا بتاؤ!“

”میں صرف ایک شوہر کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ تمہاری جگہ کوئی دوسرا آسکتا ہے پھر دوسرے کی جگہ تیسرا آسکتا ہے لیکن میں بار بار شوہر بدلنے کے باعث بدنام ہونے لگوں گی۔ اس لئے تمہیں اس کا نام اور پتا بتا رہی ہوں۔ اس نے آج رات نو بجے پرل میں ڈنر کے لئے مدعو کیا ہے۔ میں جاؤں گی اور اس سے یہ اگلواؤں گی کہ دس کلو ہیروئن اسے مل چکی ہے یا نہیں؟ اور اس کا اگلا پروگرام بھی معلوم کروں گی۔ اس طرح تمہیں اس کی اور غیر ملکی کے سودے بازی اور لین دین کا طریقہ کار پوری تفصیل سے معلوم ہوجائے گا۔“

”مشتری! یہ تمہاری دلی محبت ہے کہ میرے لئے آسانیاں پیدا کررہی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ میں بہت محتاط رہ کر کامیابی حاصل کروں گا۔“

مشتری نے صفدر بخاری کو اس عاشق کا نام اور پتا بتادیا اور اسے تاکید کی کہ وہ جب تک اس عاشق کے ساتھ پرل میں رہے گی تب تک صفدر کوٹھی میں فون کے پاس موجود رہے گا۔ صفدر نے پوچھا۔ ”تم صرف کھانے کی میز تک رہو گی یا اس کے ساتھ پرل کے کسی کمرے میں بھی جاؤ گی؟“

مشتری نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا۔ ”میں نے شادی کی پہلی رات یہ کھری

بات کہہ دی تھی کہ میں پارسا نہیں ہوں۔ میرے ایک نہیں 19 عاشق ہیں۔ اگر غیرت مند ہو تو مجھے طلاق دے دو۔"

اس نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "تم تو ناراض ہو گئیں' آئندہ تمہارے مزاج کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گا۔"

صفدر بخاری بیسواں سیارچہ تھا۔ انیسویں سیارچے کا نام جمشید تھا۔ وہ نو بجے پرل پہنچی تو جمشید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ بڑے ہی عاشقانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "تم وعدے کے مطابق ٹھیک نو بجے آئی ہو پھر بھی یوں لگتا ہے جیسے مجھے صدیوں کے انتظار میں مبتلا کرنے کے بعد آئی ہو۔ کیا اوپر کمرے میں چلو گی؟"

"پہلے پوری پے منٹ کرو پھر کمرے کا خواب دیکھو۔"

"میں تمہیں کمرے میں لے جا کر سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔ مال آج شام کو ہی مل گیا تھا۔ ابھی دو گھنٹے پہلے میں نے اس غیر ملکی گاہک کو مال دے کر پے منٹ لی ہے۔ پورے ساٹھ ہزار روپے اوپر کمرے میں ہیں۔ جن میں سے پینتالیس ہزار تمہارے ہیں۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ کر بولی۔ "یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے میں صفدر بخاری سے کل طلاق نامہ لکھوا لوں گی لیکن جب تک طلاق نہ ہو' میں اس کی بیوی ہوں' اس لئے تمہارے ساتھ کمرے میں نہیں جاؤں گی۔ تم میرے حصے کی رقم یہاں لے آؤ اور جیسا کہ ہوتا آیا ہے۔ ایک کچے کاغذ پر لکھ دو کہ تم نے دس کلو ہیروئن فروخت کرنے کے بعد جو رقم حاصل کی ہے' اس میں سے تم نے پینتالیس ہزار روپے دیئے ہیں۔"

جمشید نے کہا۔ "مشتری! تم جتنی حسین اور پرکشش ہو' اتنی ہی خطرناک ہو۔ جب بھی میں قسطوں میں رقم ادا کرتا ہوں' تم مجھ سے اشامپ پیپر پر لکھوا لیتی ہو کہ کن ناجائز ذرائع سے میں نے وہ رقم حاصل کی ہے۔"

"میں نے صفدر بخاری سے بھی لکھوایا تھا۔ اب وہ اپنی اس تحریر کے دباؤ میں رہ کر مجھے طلاق دے گا اور تمہارے لئے جگہ خالی کر دے گا۔ اس طرح کوئی دوسرا پانچ لاکھ پورے کرے گا تو تم بھی مجبور ہو کر مجھے طلاق دے کر اس دوسرے کے لئے جگہ خالی کرو گے۔"

"تم اپنے طور پر بہت محتاط رہتی ہو مگر ہمیں مجبور اور بے بس بنا دیتی ہو۔"

"میں نہیں بناتی ہوں۔ میری دولت مجبور کرتی ہے۔ پہلے بائیس لاکھ ستر ہزار تھے۔ صفدر بخاری نے ادائیگی کی تو ستائیس لاکھ ستر ہزار ہو گئے تمہارے پینتالیس ہزار کا اضافہ ہونے سے میرے اکاؤنٹ میں اٹھائیس لاکھ پندرہ ہزار ہو جائیں گے۔ میری زمین جائیداد کا حساب الگ ہے۔ آخر اتنی دولت اور جائیداد اسی شوہر کو ملے گی' جس کی زوجیت میں رہ کر طبعی موت مروں گی۔ صفدر بخاری بد نصیب نکلا۔ اس کی زوجیت میں زندہ رہی ہوں۔ دعا کرتے رہو کہ تمہاری دلہن بن کر مجھے آخری ہچکی آ جائے۔"

"پلیز ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ میری بھی عمر تمہیں لگ جائے۔"

"ایسی دعائیں اکثر بھائی اپنی بہنوں کو دیتے ہیں۔ رشتہ نہ بدلو۔ اوپر جاؤ اور رقم لے آؤ۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر بولا۔ "میں ابھی لے کر آتا ہوں پھر ہم کھانا کھائیں گے۔"

وہ لفٹ کی طرف چلا گیا۔ مشتری پبلک ٹیلی فون کاؤنٹر پر آئی پھر صفدر بخاری سے رابطہ کرنے کے بعد کہا۔ "حالات کچھ بدل گئے ہیں۔ مجھے وہ رقم ابھی مل رہی ہے تم اپنی موٹر سائیکل پر یہاں آؤ۔ جب میں جمشید سے رخصت ہو کر چلی جاؤں تو تم اس کا تعاقب کرو پھر جو کرنا ہے کر گزرو۔ اگر ناکام رہو گے تو کل تمہیں طلاق نامہ لکھ کر جمشید کے لئے جگہ چھوڑنی ہوگی۔"

"میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ جمشید کو دنیا چھوڑ کر جانا ہوگا۔ ابھی موٹر سائیکل پر آ رہا ہوں۔"

"اور سنو' جمشید جو رقم مجھے دے گا اس کے بعد اس کے پاس پندرہ ہزار رہیں گے۔ اگر اسے حاصل کر سکو تو وہ تمہاری محنت کا معاوضہ ہوگا اور یہ بھی یاد رکھو کہ میرے رخصت ہونے کے بعد شاید وہ ہوٹل نہ چھوڑے اور یہاں اپنے کمرے میں رات گزارے۔ لہٰذا تمہیں یہاں آ کر جمشید قمر کا کمرا نمبر معلوم کرنا ہوگا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ صفدر بخاری ریسیور رکھ کر سوچنے لگا۔ "میں ہوٹل کے کاؤنٹر

سے جمشید کا کمرا نمبر معلوم کروں گا تو کاؤنٹر کلرک وغیرہ کی نظروں میں آجاؤں گا پھر واردات کے بعد جو تفتیش ہوگی اس میں میری شامت آجائے گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کو کھول کر ہوٹل کے استقبالیہ کا نمبر معلوم کیا۔ ریسیور اٹھا کر وہ نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ ہونے پر جمشید قمر کا کمرا نمبر معلوم کیا۔ دوسری طرف سے کمرا نمبر بتا دیا گیا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ کچھ سوچنے لگا پھر صوفے سے اٹھ کر الماری کے پاس آیا۔ اسے کھول کر ایک دراز سے ریوالور نکالا پھر اسے لوڈ کرنے لگا۔

مقتول یعقوب کے دیئے ہوئے اڑھائی ہزار روپے کا وہ ریوالور بہت کام آیا تھا۔ اب اس میں ایک سائیلنسر کا اضافہ ہو گیا۔ پچھلے چار ماہ میں اس نے کسی حد تک صحیح نشانہ لگانا سیکھ لیا تھا۔

وہ موٹر سائیکل کے ذریعے ہوٹل کے احاطے میں آیا۔ گاڑی کو ایک جگہ پارک کیا پھر وہاں سے چلتا ہوا ڈائننگ ہال کے دروازے پر آیا۔ وہاں سے دور تک نظریں دوڑانے لگا۔ ایک میز پر مشتری نظر آئی۔ اس کے سامنے میز کے دوسری طرف ایک جوان بیٹھا ہوا تھا۔ وہی جمشید ہو سکتا تھا۔ اس نے پہلے کبھی جمشید کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ اچھی طرح یاد کر لینے کے بعد وہ ویٹنگ ہال میں آکر ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے ڈائننگ ہال کا دروازہ نظر آرہا تھا۔

ایک طویل اکتا دینے والے انتظار کے بعد وہ نظر آئی۔ جمشید کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی ڈائننگ ہال سے نکل کر ہوٹل کے باہر جا رہی تھی۔ صفدر کافی فاصلے سے ان کے پیچھے باہر آیا۔ وہ دونوں پارکنگ کے حصے میں تھے۔ مشتری اس سے رخصت ہو کر اپنی کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ رہی تھی۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے رخصت ہونے کے بعد جمشید اسی ہوٹل میں رہے گا۔

وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ جمشید واپس ہوٹل کے اندر جانے لگا۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ خوشی کی وجہ یہی تھی کہ اس نے قسطوں میں رقم ادا کرتے کرتے پورے پانچ لاکھ ادا کر دیئے تھے اور اب وہ اپنے رقیب صفدر بخاری کو مشتری کی زندگی سے نکال کر خود اس کا شوہر یعنی کہ اس کی دولت کا مالک و مختار بننے

والا تھا۔

اس نے کاؤنٹر سے اپنے کمرے کی چابی لی پھر لفٹ کے ذریعے تیسری منزل کے کمرے میں آگیا۔ اس نے سوچا تھا کہ مشتری کو آخری پینتالیس ہزار کی ادائیگی کرے گا تو وہ اس کے کمرے میں آئے گی۔ آج کی رات بہت حسین ہوگی لیکن وہ کمرے میں آیا تو ویرانی تھی۔ اپنی تنہائی اور اس کی جدائی کا غم غلط کرنے کے لئے اس نے اٹیچی سے ہیروئن کا ایک پیکٹ نکالا۔ اس نے اس دھندے میں بڑی کمائی کی تھی۔ بڑا فائدہ اٹھایا تھا مگر نقصان بھی یہ ہوا تھا کہ وہ نشے کا عادی ہو گیا تھا۔

اس نے پیکٹ کے ایک سرے کو دانتوں سے کاٹ کر اسے کھولا پھر اس میں سے ایک چٹکی سفید پاؤڈر نکال کر زبان پر رکھا۔ مزہ آگیا۔ جیسے روح کو غذا ملنے لگی۔ وہ اور ایک چٹکی پاؤڈر لینا چاہتا تھا اسی وقت کال بیل سنائی دی۔ وہ پیکٹ کو میز پر رکھ کر دروازے کے پاس آیا پھر بولا۔ "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی۔ "روم سروس۔"

وہ بولا۔ "ابھی کسی سروس کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ یہاں سے۔"

پھر آواز آئی۔ "سر! ہوٹل مینجر نے آپ کے نام ایک لیٹر دیا ہے۔ آپ ریسیو کر لیں۔"

اسے دروازہ کھولنا پڑا۔ دروازہ ذرا سا کھلتے ہی بڑی زور سے اس کے منہ پر لگا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ صفدر نے پھرتی سے اندر آکر دروازے کو بند کر دیا۔ جمشید غصے میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن سہم گیا۔ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور کو دیکھنے لگا پھر اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ "تت' تم؟"

"ہاں' سانپ کسی کو نہیں پہچانتا لیکن میں اس خزانے کا سانپ ہوں جسے تمہارے جیسے عاشق پہچانتے ہیں۔ کیا تم نے بے شمار خزانہ تلاش کرنے والوں کی داستانیں نہیں پڑھیں کہ جب بھی وہ کسی خزانے تک پہنچے۔ وہاں انہوں نے ایک زہریلے سانپ کو خزانے کی نگرانی کرتے ہوئے پایا۔ تم بھی خزانے تک پہنچ ہی گئے ہو تو اب نگرانی کرنے والے اس سانپ کو بھی آخری بار دیکھ لو۔"

وہ موت سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹ رہا تھا۔ صفدر نے اسے نشانے پر رکھ کر

آگے بڑھتے ہوئے میز کی طرف ایک نگاہ ڈالی۔ وہاں سفید پاؤڈر کا کھلا ہوا پیکٹ پڑا تھا۔ جمشید نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "مجھے نہ مارو۔ میں مشتری کے حصول سے باز آ جاؤں گا۔ وہ پانچ لاکھ بھی واپس نہیں لوں گا۔ تم کہو گے تو میں اس شہر سے اور اس ملک سے باہر چلا جاؤں گا۔"

صفدر بخاری نے کہا۔ "تمہاری کوئی بات سنائی نہیں دے رہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ سانپ کے کان نہیں ہوتے۔ اس لئے صرف میری پھنکار سنو اور صرف ہاں یا نہ میں سرہلاؤ۔ کیا تمہیں ہیروئن کا نشہ پسند ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سرہلایا۔ صفدر نے کہا۔ "اگر ابھی اسے استعمال کرو گے تو میں تمہیں زندہ چھوڑ دوں گا۔"

اسے تو ایک چٹکی کے بعد مزہ آیا تھا۔ اب مزید استعمال کرنے سے نشہ سرچڑھ کر بولنے والا تھا اور رقیب اسے نئی زندگی دینے والا تھا۔ وہ فوراً ہی میز کے پاس گیا۔ پھر اس نے پیکٹ سے دو چٹکی پھانک لی۔ صفدر نے کہا۔ "اس سے کیا ہوتا ہے۔ آدھا پیکٹ حلق سے اتار دو!"

اس پر سرور طاری ہو رہا تھا۔ وہ بولا۔ "میں تھوڑی خوراک لیا کرتا ہوں۔ ابھی رات کے لئے اتنی ہی خوراک کافی ہے۔"

"میں کہہ چکا ہوں۔ سانپ کے کان نہیں ہوتے۔ تمہاری کوئی بات سنائی نہیں دے رہی ہے۔ صرف ہاں یا نہ کے انداز میں حرکت کرو۔ میں تمہارے جسم میں گولی اتاروں یا تم آدھا پیکٹ حلق سے اتارو گے؟"

اس نے ریوالور کو اس بار دونوں ہاتھوں سے تھام کر نشانہ لیا۔ وہ جلدی سے پیکٹ اٹھا کر منہ کھول کر اپنے حلق میں پاؤڈر اتارنے لگا۔ پیکٹ چھ انچ لانبا اور چار انچ چوڑا تھا۔ اس کا آدھا پاؤڈر استعمال کرنے والا ہسپتال یا سیدھا قبرستان پہنچ سکتا تھا۔ اسے زور کا ٹھسکا لگا۔ وہ کھانسنے لگا۔ پیکٹ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ صفدر نے ایک ہاتھ سے پانی کا جگ اٹھا کر اس کے منہ سے لگا دیا۔ اس نے غٹاغٹ چند گھونٹ پیے پھر چکرا کر بستر پر گر پڑا۔

اس کے دیدے پھیل رہے تھے۔ وہ لمبی لمبی سانسیں لینا چاہتا تھا مگر سانسیں اٹک

اٹک کر آ رہی تھیں۔ صفدر نے باقی آدھا پیکٹ اٹھایا پھر اس کے منہ میں ریوالور سے لگے ہوئے سائیلنسر کو گھسا دیا پھر اس پیکٹ کا پاؤڈر اس کے منہ میں ٹھونسنے لگا۔ اس کے ہاتھ پاؤں میں جان نہیں رہی تھی مگر اتنی سکت رہ گئی تھی کہ وہ پاؤڈر نگلنے سے انکار کر سکتا تھا لیکن سائیلنسر منہ میں گھسا ہوا تھا۔ اس لئے منہ بند نہیں کر سکتا تھا۔ پاؤڈر اتنا بھر گیا تھا کہ ہونٹوں سے باہر آ رہا تھا اور صفدر اپنی انگلی اس کے منہ میں ڈال کر پاؤڈر کو اس کے حلق کے اندر ٹھونس رہا تھا۔

صرف چند منٹوں میں اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ صفدر نے ریوالور کے سائیلنسر کو اس کے منہ سے نکال لیا۔ اس کا منہ اسی طرح کھلا رہ گیا۔ اس نے نبض ٹٹولی۔ دل کی دھڑکنوں کو خاموش پایا پھر اس پیکٹ کو اس کی مٹھی میں پکڑا دیا۔ اس میں تھوڑا سا پاؤڈر رہ گیا تھا۔ اسے سیدھی طرح بستر پر لٹا کر بستر پر ادھر ادھر گرے ہوئے پاؤڈر کو صاف کرنے لگا۔ وہ چاہتا تھا، تفتیش کرنے والے یہی سمجھیں کہ کسی نے اس سے زبردستی نہیں کی تھی۔ وہ خود نشے کی ہوس میں سارا پاؤڈر استعمال کرتے کرتے مر گیا ہے۔

پھر اس نے اس کے سامان کی تلاش لی۔ ہیروئن کے مزید دو پیکٹ اور پندرہ ہزار روپے ملے۔ وہ پیکٹ دیسی مارکیٹ میں فروخت کئے جاتے تو پانچ چھ ہزار ملتے اور کوئی بدیسی گاہک مل جاتا تو پندرہ بیس ہزار روپے دے جاتا۔ وہ یہ تمام مال سمیٹ کر وہاں سے کسی روک ٹوک کے بغیر چلا آیا۔

مشتری نے جب اس کا یہ کارنامہ سنا تو خوش ہوئی اور کہا۔ "یہ تم نے عقلمندی کی کہ ہتھیار استعمال نہیں کیا اور اس کی موت کو قتل اور خودکشی کے درمیان الجھا دیا ہے۔ اب تم پکے ہو رہے ہو۔"

وہ ایسا پکا کام کر کے پھر کچھ عرصے کے لئے اس کا پکا شوہر بن گیا۔ ویسے آگے بڑے مرحلے طے کرنے تھے ابھی تقریباً گیارہ سیارچے باقی تھے جو پانچ لاکھ کے ٹارگٹ پر آ کر مشتری کی سطح سے ٹکرانا چاہتے تھے۔ (سائنسدانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ کوئی سیارچہ زمین کی طرف آئے گا تو ایٹم بم مار کر اسے خلا میں ہی تباہ کر دیا جائے گا) صفدر بخاری نے بھی یہی کیا تھا۔ اپنی مشتری کی طرف آنے والے ایک سیارچے کو تباہ کر دیا

تھا اور اپنے خزانے پر سانپ بن کر بیٹھے رہنے کے لئے لازمی تھا کہ وہ باقی سیارچوں کو بھی یکے بعد دیگرے اسی طرح تباہ کرتا رہے۔

☆------☆------☆

اس جدوجہد میں دن مہینے اور سال گزرنے لگے۔ مشتری اس پر ذرا اعتماد کرنے لگی تھی کیونکہ وہ بہت کام کر رہا تھا۔ ہر آنے والے سیارچے کو اس وقت تباہ کرتا تھا جب وہ پانچ لاکھ کا ٹارگٹ پورا کر دیتا تھا۔ اس طرح مشتری کے اکاؤنٹ میں بارہ سیارچے ساٹھ لاکھ روپے جمع کر کے فنا ہو گئے تھے۔ ان بارہ میں جمشید بھی شامل تھا۔

اس دوران صفدر بخاری کی وہ ابنارمل بہن بیوہ ہو گئی تھی۔ صفدر نے اس کے شوہر کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر قبضہ جمالیا اور مشتری نے اسے اپنی کوٹھی میں کام کرنے والی کی حیثیت سے پناہ دے دی۔

اس طرح چار برس گزر گئے اور 1994ء کا سال آ گیا۔ دنیا کے تمام سائنس دانوں نے پیش گوئی کی تھی کہ جولائی 1992ء میں منجمد گیسوں والا جو سیارہ خلا میں بھٹکتا ہوا آیا تھا اور سیارہ مشتری کی کشش ثقل میں آ کر تباہ ہو گیا تھا' اب اس کے اکیس ٹکڑے یعنی اکیس سیارچے سال رواں کی 16 جولائی کو یکے بعد دیگرے مشتری سے ٹکرائیں گے۔ 16 جولائی سے اکیس جولائی تک یہ ٹکراؤ ان کے لئے قابلِ دید ہو گا جو رصد گاہوں کی دوربینوں سے نظارہ کریں گے۔

واضح رہے کہ اکیس سیارچوں کے ٹکرانے کی پیش گوئی کی گئی ہے اور ابھی تک مشتری بانو سے انیس سیارچے ٹکرا کر تباہ ہو چکے ہیں بیس واں سیارچہ صفدر بخاری ہے اور اب اکیسواں سیارچہ آنے والا ہے۔

اس سلسلے کے مزید واقعات بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اکیسویں سیارچے کا نہایت ہی مختصر سا تعارف پیش کر دیا جائے۔ سائنس دانوں کی رپورٹ کے مطابق اکیسواں سیارچہ سب سے بڑا ہے۔ اس کا قطر تقریباً چار کلو میٹر ہے۔ اتنی بڑی جسامت کا سیارچہ اگر زمین پر کہیں گرے گا تو آس پاس کے تمام ملک نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اس سے اتنی حرارت خارج ہو گی کہ ہر چیز جل کر خاک ہو جائے گی اور اربوں انسان موت کے گھاٹ اتار جائیں گے۔

یوں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ سیارچہ کیسا زبردست ہے۔ سائنس دانوں نے اس اکیسویں سیارچے کا نام شومیکر لیوی۔9 رکھا ہے لیکن مشتری بانو سے جو زبردست اکیسواں سیارچہ ٹکرانے آ رہا تھا' اس کا نام ملک حیات شاہ تھا۔ کسی بھی زبردست سیارچے کی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ اس لئے ملک حیات شاہ بھی نابینا تھا۔

ایک صبح کال بیل کی آواز سنائی دی۔ مشتری رات دیر تک جاگتی رہی تھی۔ نیند ٹوٹ جانے سے منہ بنا کر بولی۔ "کون کمبخت اتنی صبح آ گیا ہے۔"

صفدر نے کہا۔ "یہ صبح نہیں ہے۔ دس بج چکے ہیں۔ اب اٹھ بھی جاؤ۔"

"یو شٹ اپ' مجھے سونے دو' جاؤ دیکھو کون ہے۔"

وہ بستر سے اٹھ کر بیڈ روم سے باہر آیا۔ پھر کچن میں آ کر اپنی بہن کو دیکھ کر ناگواری سے بولا۔ "کیا تم بہری ہو؟ کال بیل کی آواز سن کر معلوم نہیں کر سکتی تھی کہ کون آیا ہے۔"

"بھابی نے مجھے منع کیا ہے کہ میں اس گھر میں آنے والوں کے سامنے نہ جایا کروں۔"

"اور یہ بھی تو منع کیا ہے کہ تم مجھے بھائی اور اسے بھابی نہ کہا کرو۔"

"ہاں مگر میں تو کسی کے سامنے نہیں کہہ رہی ہوں۔ مجھے اکیلے میں تو یہ حق ملنا چاہئے۔"

کال بیل کی آواز پھر سنائی دی۔ بہن بھائی کے دباؤ میں تھی اور بھائی مشتری کے دباؤ میں تھا۔ اس نے سوچا بار بار کال بیل کی آواز سے مشتری کی نیند اچاٹ ہو گی تو وہ غصے میں گالیاں بکنا شروع کر دے گی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا پھر وہاں سے گزر کر کاریڈور میں پہنچا۔ اس کے بعد بیرونی دروازے کو کھولا۔ باہر برآمدے میں ایک ادھیڑ عمر کا خوش پوش اجنبی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "پہلے تو میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو زحمت دی ہے۔ آپ شاید سو رہے تھے۔ میں ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی ہوں۔" اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ صفدر بخاری نے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میں ایک ارب پتی ملک حیات شاہ کا خاص مشیر ہوں۔ یہ جو ساتھ والی کوٹھی

ہے اسے شاہ صاحب ایک دو ماہ کے لئے خریدنا چاہتے ہیں۔ میں اس سلسلے میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

صفدر نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ ایک دو ماہ کے لئے خریدنے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ کیا دو ماہ بعد وہ کوٹھی کسی اور کو فروخت کر دیں گے۔"

"اجی نہیں صاحب! یہ کوٹھی بیس لاکھ کی مل رہی ہے۔ شاہ صاحب بیس لاکھ جیسی معمولی رقم کا لین دین نہیں کرتے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک یا دو ماہ اس شہر میں ضروری معاملات نمٹانے کے لئے رہیں گے پھر یہاں سے جانے سے پہلے یہ کوٹھی کسی فلاحی ادارے کو دے کر چلے جائیں گے۔"

صفدر کی کھوپڑی میں دھواں بھر گیا۔ اس دھوئیں سے کھوپڑی آسمان میں اڑنے لگی۔ اس نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "کیا واقعی وہ بیس لاکھ کی کوٹھی کسی فلاحی ادارے کو دے کر چلے جائیں گے؟"

"جی ہاں' میں اس کوٹھی کے مالک کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔"

وہ جلدی سے بولا۔ "جناب ایڈووکیٹ صاحب! آپ باہر کیوں کھڑے ہیں۔ اندر تشریف لائیں۔ آرام سے بیٹھ کر معلومات حاصل کریں۔"

وہ بڑی عزت اور احترام سے اسے ڈرائنگ روم میں لے کر آیا' پھر کہا۔ "آپ صوفے پر تشریف رکھیں' میں فوراً برش کر کے گرما گرم چائے لے کر آتا ہوں۔ پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا بیڈ روم میں آیا۔ پھر مشتری کو جھنجوڑ کر بولا۔ "اٹھو۔ جو سوتا ہے' وہ کھوتا ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "کھوتے (گدھے) تم ہو۔ کیوں نیند خراب کر رہے ہو؟"

"میری جان! تم نے کوئی ایسا دولت مند دیکھا ہے جو بیس لاکھ روپے یونہی پھینک کر چلا جاتا ہو؟"

بیس لاکھ کی بات پر اس کی نیند اڑ گئی۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ صبح ہی صبح کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"بکواس نہیں' حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ ایک ارب پتی شخص کا قانونی مشیر ہمارے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے۔ وہ اپنے ارب پتی مالک کے لئے ہمارے پڑوس والی کوٹھی خریدنے آیا ہے۔ وہ بیس لاکھ کی کوٹھی میں ایک یا دو ماہ رہ کر اس شہر میں اپنے ضروری کاروباری معاملات نمٹائے گا۔ پھر یہاں سے جانے سے پہلے وہ کوٹھی کسی فلاحی ادارے کو دے جائے گا۔"

وہ فوراً ہی بستر پر سے اٹھ گئی پھر بولی۔ "کیا وہ کوئی پاگل کا بچہ ہے؟"

"تم نے میری بات غور سے نہیں سنی۔ وہ پاگل نہیں ارب پتی ہے۔ ایسے لوگ ہزار روپے کے نوٹ کی بتی بنا کر اسے سگریٹ کی طرح پھونک دیتے ہیں۔"

مشتری نے ایک لمبی سانس کھینچی پھر پوچھا۔ "کیا وہ ارب پتی بھی آیا ہے؟"

"نہیں۔ صرف اس کا قانونی مشیر آیا ہے۔ میں اس سے باتوں ہی باتوں میں اس ارب پتی کی پوری ہسٹری معلوم کروں گا۔ تم سوچو' ہمیں اور کیا کرنا ہے؟"

"اسے چائے وغیرہ پلاؤ۔ لمبی باتیں کرو۔ میں چھپ کر سنوں گی۔ اپنی بہن کو اس کے سامنے نہ جانے دینا۔ ورنہ وہ اپنی حماقت سے کام بگاڑ دے گی۔"

"میں اتنی بڑی کوٹھی میں رہتا ہوں۔ خود ہی چائے اور ناشتے کی ٹرالی لے جاؤں گا تو وہ کیا سوچے گا؟"

"ذرا عقل استعمال کرو۔ کہہ دینا' گھر میں کوئی نہیں ہے۔ بھی لاہور کسی تقریب میں گئے ہیں اس لئے تم نے ملازموں کو چھٹی دے دی ہے۔"

وہ دونوں وہاں سے کچن میں آئے۔ وہاں بہن بھی تھی۔ صفدر نے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈال کر تولیے سے چہرے کو پونچھا۔ پھر ٹرالی دھکیلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی نے کہا۔ "جناب! آپ یہ تکلیف کر رہے ہیں۔ میں ناشتا کر کے آیا ہوں۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم گفتگو کریں گے تو منہ ہلتا رہے گا' کچھ نہ کچھ کھاتے ہوئے بھی منہ ہلے گا۔ بولنے اور کھانے کی حرکت ایک ہی سی ہوگی۔"

ایڈووکیٹ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ انداز گفتگو سے زندہ دل لگتے ہیں اور آپ کی یہ کوٹھی بھی آپ کی شخصیت کی طرح شاندار ہے۔ ویسے ایک بات

پوچھوں؟"

"ضرور۔ میں بے تکلفی پسند کرتا ہوں۔ آپ کچھ پوچھنے کا تکلف نہ کریں۔"

"کیا آپ اتنی بڑی کوٹھی میں تنہا رہتے ہیں۔ کوئی ملازم بھی نہیں ہے؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔ گھر والے لاہور ایک شادی میں گئے ہیں۔ اس لئے میں نے ملازموں کو چھٹی دے دی ہے۔ کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کن صاحب کے قانونی مشیر ہیں اور وہ صاحب کس سلسلے میں یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں نے باہر بتایا تھا آپ بھول گئے۔ ان کا نام ملک حیات شاہ ہے۔ لاہور کے ارب پتی سرمایہ داروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اب انہوں نے پنجاب میں تین کروڑ کی کثیر رقم کی زمینیں فروخت کی ہیں۔ خریدنے والے نے وہ تین کروڑ یہاں کے ایک بینک میں جمع کر دیئے ہیں۔ جناب شاہ صاحب بینک سے اس رقم کا چیک وصول کرنے یہاں آئیں گے۔"

مشتری بانو ڈرائنگ روم کے دروازے کے پیچھے کاریڈور میں کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ وہ لاکھوں کی بازیاں کھیلتی تھی اور ہمیشہ جیت لیا کرتی تھی۔ اس بار ایک ارب پتی اس شہر میں تین کروڑ کا چیک وصول کرنے آ رہا تھا۔ وہ پچھلے کئی ہفتوں سے سنتی آ رہی تھی کہ سیارہ مشتری سے جو اکیسواں سیارچہ ٹکرائے گا' وہ زبردست ہوگا۔ کیا وہ اس زبردست ارب پتی کو اپنا اکیسواں عاشق بنا پائے گی؟

وہ بڑی تیزی سے تدبیر سوچ رہی تھی اور ڈرائنگ روم میں ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔ اس وقت صفدر پوچھ رہا تھا۔ "جناب شاہ صاحب نے زمینیں کیوں بیچ دیں۔ جبکہ وہ ہمارے پڑوس والی کوٹھی خرید کر بعد میں بیچنا نہیں چاہتے۔ کسی فلاحی ادارے کو دے کر چلے جانا چاہتے ہیں۔"

"آپ شاید یقین نہیں کریں گے۔ وہ تین کروڑ بھی شاہ صاحب رفتہ رفتہ مختلف اداروں کو عطیات کے طور پر دیتے رہیں گے۔ وہ کچھ اس طرح زندگی گزار رہے ہیں کہ موت آنے تک تمام دولت نیک کاموں میں صرف کر دینا چاہتے ہیں؟"

"کیا وہ اپنے بیوی بچوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑیں گے؟"

"شاہ صاحب نے شادی نہیں کی ہے۔ رشتے داروں سے نفرت ہے۔ چند رشتے

داروں نے دولت حاصل کرنے کی خاطر کئی بار انہیں نقصان پہنچانا چاہا لیکن میں قانونی طور پر ان کی حفاظت کرتا رہتا ہوں۔"

"انہوں نے شادی کیوں نہیں کی؟"

"اس لئے کہ وہ اندھے ہیں۔"

مشتری کا دل تیز رفتاری سے دھڑکنے لگا۔ وہ ارب پتی اندھا ہے تو اسے بہ آسانی راستے سے بھٹکایا جا سکتا۔ قانونی مشیر کہہ رہا تھا۔ "وہ آنکھوں والے تھے۔ پھر آنکھوں میں موتیا اتر آیا۔ علاج کے سلسلے میں کافی رقم خرچ کرنے کے باوجود بینائی کمزور ہوتی چلی گئی۔ انہیں ہم شاید مکمل اندھا نہ کہہ سکیں کیونکہ دھندلی سی بصارت رہ گئی ہے۔ انہیں سامنے والے دھندلے خاکے کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ پھر بھی وہ چہرے پہچان نہیں سکتے۔ یہی غنیمت ہے کہ سامنے سے آنے والی گاڑی یا انسان سے ٹکراتے نہیں ہیں۔ ایک خاکہ سا دیکھتے ہی کترا کر ایک طرف ہٹ جاتے ہیں۔"

"کیا انہوں نے کسی آئی بینک سے رجوع نہیں کیا۔ ان کے پاس بے شمار دولت ہے۔ وہ آسانی سے نئی آنکھیں نئی بینائی حاصل کر سکتے ہیں۔"

"میں آپ کے سوال کا جواب ابھی دیتا ہوں لیکن آپ نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا ہے۔"

"خاکسار کو صفدر بخاری کہتے ہیں۔ پہلے میں ایک اسٹل فوٹو گرافر تھا۔ اب مووی کیمرا مین ہوں۔ تقریباً دو کروڑ روپے کی لاگت سے ایک ویڈیو فلم سٹوڈیو قائم کرنے کے لئے معقول لوکیشن اور زمین کی تلاش میں ہوں۔"

ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی نے کہا۔ "بخاری صاحب! آپ موقع شناس ہیں۔ آج کل ویڈیو کا کاروبار زوروں پر ہے۔ اس لئے آپ خوب سوچ سمجھ کر بزنس شروع کر رہے ہیں۔"

"میری بات چھوڑیں بھٹی صاحب! آپ میرا یہ تجسس دور کریں کہ انہوں نے آئی بینک سے رجوع کیوں نہیں کیا؟"

"اس کا مکمل جواب ان سے ملے گا۔ جب آپ ان سے ملیں گے اور گفتگو کریں گے۔ وہ ایک عجیب و غریب انسان ہیں۔ انہوں نے اب تک پندرہ اندھوں کو

آئی بینک سے آنکھوں کی روشنی دلائی ہے اور اب تک آئی بینک کو عطیہ کے طور پر اسی لاکھ روپے دیئے ہیں لیکن خود اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی عمر چالیس برس سے زیادہ ہو چکی ہے۔ آنکھیں مل بھی گئیں تو بڑھاپے میں قدم رکھنے والے دولت مند سے کوئی لالچی عورت ہی شادی کرے گی۔ اولاد ہو گی تو وہ بھی دولت کی خاطر سوچے گی کہ باپ کب مرے گا۔ دراصل انہوں نے اپنوں اور بیگانوں سے بڑے زخم کھائے ہیں۔ اس لئے بڑے عجیب انداز میں زندگی گزار رہے ہیں۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ صفدر بخاری نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو! کون؟"

دوسری طرف سے مشتری بانو کی رازدارانہ آواز سنائی دی۔ "میں بول رہی ہوں۔ میری باتیں غور سے سنو۔ اس ایڈووکیٹ سے اور بے تکلفی بڑھاؤ اور اسے قائل کرو کہ وہ ارب پتی شاہ صاحب پڑوس والی کوٹھی کو نہ خریدیں۔ ایک یا دو ماہ کی بات ہے' وہ ہمارے ہاں قیام کریں اور اس کوٹھی کو اپنی کوٹھی سمجھ کر رہیں۔ انہیں یہاں اجنبیت محسوس نہیں ہو گی۔ بلکہ اپنوں سے بڑھ کر توجہ اور محبت ملے گی۔"

صفدر نے کہا۔ "ہاں میں سمجھ گیا لیکن آپ نہیں سمجھے۔ میں سائٹ کے علاقے میں زمین نہیں خریدوں گا' وہ جگہ فلم اسٹوڈیو کے لئے مناسب نہیں ہے۔ آپ کلفٹن کی طرف زمین دیکھیں۔ میں آپ سے بعد میں رابطہ کروں گا۔"

وہ ریسیور رکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "ان اسٹیٹ ایجنسی والوں کو اتنا بھی تمیز نہیں ہے کہ کون سا کاروبار کہاں کیا جاتا ہے۔"

پھر وہ بولا۔ "معاف کیجئے گا بھٹی صاحب! میں دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔"

"معافی تو مجھے مانگنی چاہئے۔ میں آپ کی چائے بھی پی رہا ہوں اور آپ کا وقت بھی ضائع کر رہا ہوں۔ دراصل یہ پڑوس والی کوٹھی خریدنے سے پہلے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کوٹھی کا مالک ایک ہی ہے یا اور بھی حصے دار ہیں کیونکہ خریدنے کے بعد کوئی اور اس کوٹھی کا دعویدار پیدا ہو سکتا ہے۔"

"بھٹی صاحب! آپ ایک نابینا صاحب کو کہاں ان معاملات میں الجھا رہے ہیں۔ میرا یہ غریب خانہ حاضر ہے۔ ایک دو ماہ کی بات ہے' اگر شاہ صاحب آپ کے ساتھ

یہاں قیام کرنا پسند کریں گے تو میری عزت افزائی ہو گی۔"

"نہیں بخاری صاحب! ہمارے شاہ صاحب آپ کے گھر والوں کو زحمت دینا پسند نہیں کریں گے۔"

"میرے گھر والے ہیں ہی کتنے؟ صرف ایک بہن اور ایک بیوی۔ کوئی بچہ بھی نہیں ہے۔ آپ ایک بار شاہ صاحب سے میری گفتگو کرائیں۔ میں انہیں راضی کر لوں گا۔"

"میں نے شاہ صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ ایک ماہ میں کام ہو جائے گا۔ وہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں قیام کریں لیکن وہ یہاں سے تین کروڑ کا چیک حاصل کر کے کسی فلاحی ادارے کے ساتھ نیکی کرنا چاہتے ہیں اس لئے کوٹھی خرید کر وہاں ایک یا دو ماہ قیام کر کے اس کوٹھی کو کسی ادارے کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ نیکی ضرور کریں لیکن خرید و فروخت کے جھمیلوں سے دور رہیں تو بہتر ہے۔ آپ ایک بار ان سے میری بات تو کرائیں۔"

ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی فون کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر لاہور کا کوڈ نمبر ڈائل کرنے کے بعد رابطہ کرنے لگا۔ پہلے رابطہ قائم ہونے میں کچھ دشواریاں پیش آئیں۔ پھر کامیابی ہوئی۔ ایڈووکیٹ نے کہا۔ "جناب! میں بھٹی بول رہا ہوں۔ یہاں میں نے آپ کے لئے جو کوٹھی پسند کی تھی' اسے خریدنے سے پہلے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں یہیں پڑوس والی کوٹھی میں آیا ہوں اور یہیں سے فون پر آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ اس کوٹھی کے مالک جناب صفدر بخاری نہایت ہی معقول انسان ہیں۔ سچ پوچھئے تو میں پہلی ہی ملاقات میں ان سے متاثر ہو گیا ہوں۔ یہ آپ سے کوٹھی کی خرید و فروخت کے سلسلے میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ جی' جی ہاں۔ جی بہت اچھا..........."

اس نے صفدر کی طرف ریسیور بڑھا کر کہا۔ "لیجئے شاہ صاحب سے گفتگو کریں۔" صفدر نے ریسیور لے کر کان سے لگایا۔ پھر کہا۔ "السلام علیکم"۔

دوسری طرف سے سلام کا جواب دیا گیا۔ صفدر نے کہا۔ "جناب شاہ صاحب آپ کا غائبانہ تعارف ایسے ہوا ہے کہ میں آپ کے نیک ارادوں کو سن کر سحر زدہ

ہو گیا ہوں۔ آپ یقیناً عظیم شخصیت کے حامل ہیں۔"

شاہ صاحب نے کہا۔ "آپ ایسی تعریفیں کر کے شرمندہ نہ کریں۔ میں خدا کا ایک ناچیز بندہ ہوں۔ مجھ سے انسانیت کی بقا کے لئے جو ہوتا ہے' وہ کرتا ہوں۔"

"جناب! میں بھی آپ کی نیکی میں شامل ہونا چاہوں گا تو کیا آپ کو اعتراض ہو گا؟"

"ہرگز نہیں' نیکی جتنی دور تک پھیلے اس کا ثواب بھی دور تک ملتا ہے۔ آپ اپنا عندیہ بیان کریں؟"

"میں چاہتا ہوں آپ کوئی کوٹھی خریدنے کے جھمیلے میں نہ پڑیں۔ اس میں خاصا وقت ضائع ہو گا۔ یہ بیس لاکھ کسی کوٹھی والے کو دینے کے بجائے کسی فلاحی ادارے کو براہ راست نقد رقم ادا کر دیں۔ میرا غریب خانہ' میرے دل کی طرح کشادہ ہے۔ آپ میرے ہاں قیام کریں۔ ابھی میں اجنبی ہوں لیکن پہلی ہی ملاقات میں اور یہاں کے قیام کے پہلے ہی دن سے آپ خود کو اپنے گھر میں محسوس کریں گے۔"

"سبحان اللہ! آپ کے بولنے کا انداز متاثر کرتا ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرے گا لیکن میں تنہا نہیں ہوں۔ وہ قانونی مشیر بھی میرے ساتھ رہتا ہے۔ شاید آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہو گا کہ میں بینائی سے محروم ہوں۔"

"جی ہاں' اسی بات نے تو متاثر کیا ہے کہ آپ تمام بینائی والوں سے افضل اور برتر ہیں۔ لوگ آنکھیں رکھ کر وہ کام نہیں کرتے' جو آپ کر رہے ہیں' خود بینائی سے محروم رہ کر نابینا حضرات کو آنکھوں کی روشنی دلاتے ہیں۔ ایسی بے مثال نیکی پہلے کبھی سننے میں آئی نہ دیکھنے میں آئی۔ میں تو آپ کا معتقد ہو گیا ہوں۔ کسی کو خدمت کا موقع دینا بھی نیکی ہے۔ خدا کے لئے مجھے اپنی خدمت کا موقع دیں۔"

"بہ خدا آپ کی گفتگو کا انداز متاثر کرتا ہے۔ میں کراچی آ کر آپ سے ضرور ملاقات کروں گا لیکن میرا ایک اصول ہے کہ میں کسی پر بوجھ نہیں بنتا اور کسی کا احسان نہیں لیتا۔"

"محترم! ایسا کہہ کر آپ اپنی تمام نیکیوں کی نفی کر رہے ہیں۔ اب تک جتنے

فلاحی اداروں کو آپ نے عطیات دیئے اور جتنی آنکھوں کو نور دینے کا وسیلہ بنے تو گویا آپ نے ان سب پر احسان کیا' نیکی نہیں کی اور اگر اسے نیکی سمجھتے ہیں تو میری ایک نیکی کو احسان کیوں کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ خدا کے بندے نہیں ہیں؟ کیا ہم آپ سے نیکی نہیں کر سکتے؟ کیا یہ نیکی کے منافی نہیں ہے کہ آپ ہمیں احساسِ کمتری میں مبتلا کر رہے ہیں؟"

"بس کریں بخاری صاحب! آپ نے تو مجھے شرمندہ کر دیا۔ جن پہلوؤں سے آپ نے میری غلط سوچ کا مجھے احساس دلایا ہے' ان پہلوؤں پر میں نے پہلے غور نہیں کیا تھا۔ میں آپ کے ہاں ضرور آؤں گا اور ضرور قیام کروں گا۔ آپ بھٹی صاحب کو فون دیں۔"

اس نے ایڈووکیٹ کی طرف ریسیور بڑھا دیا۔ وہ ریسیور لے کر شاہ صاحب کی باتیں سنتا رہا۔ وقفے وقفے سے جی ہاں۔ جی ہاں کہتا رہا پھر ریسور رکھ کر بولا۔ "بخاری صاحب! آپ کمال کے انسان ہیں۔ آپ نے شاہ صاحب کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ میں آج ہی کسی فلائٹ سے لاہور جاؤں گا۔ پھر کل یا پرسوں تک شاہ صاحب کو یہاں لے آؤں گا اور آنے سے پہلے فون پر اطلاع دوں گا۔"

وہ جانے کے لئے اٹھ گیا۔ صفدر نے اسے اپنا فون نمبر دیا پھر اسے رخصت کرنے کے لئے باہر تک آیا۔ جب وہ اپنی کار میں بیٹھ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ اندر آیا۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی مشتری بانو خوشی سے جھومتی ہوئی آکر اس سے لپٹ گئی۔

"ہائے صفدر! آج تم نے ایسا کارنامہ انجام دیا ہے کہ بس مجھے لوٹ لیا ہے۔ پچھلے چار برسوں سے واردات کرتے کرتے تم اس فن کے استاد بن گئے ہو۔"

"میں نے وہی کیا' جو تم چاہتی تھیں۔ وہ مرغا کل یا پرسوں تک یہاں مہمان بن کر رہنے کے لئے آ جائے گا۔ اب بتاؤ' تمہارے ارادے کیا ہیں؟"

"اسے شیشے میں اتاروں گی۔ ابھی ذہن میں ایک کچا سا منصوبہ ہے۔ طرح طرح سے منصوبے کو پکا رہی ہوں لیکن کوئی نہ کوئی خامی یا دشواری پیدا ہو رہی ہے۔"

وہ اپنے بیڈ روم میں آ گئے۔ مشتری بانو نے کہا۔ "اس ارب پتی ملک حیات شاہ

کی کچھ خوبیاں ہمارے حق میں ہیں۔ پہلی خوبی تو یہ کہ وہ چالیس برس کا کنوارہ ہے۔ دوسری یہ کہ آنکھوں کا اندھا ہے۔ اسے برائے نام دھندلا سا نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود وہ کسی کا چہرہ شناخت نہیں کر سکتا۔ پھر یہ کہ اسے نیکیاں کرنے کا خبط ہے۔ میں اس کی شرافت اور نیکی کو ہتھیار بنالوں گی۔"

"ایک بہت بڑی رکاوٹ تمہاری نظروں میں ہو گی؟"

"ہاں' اس کا قانونی مشیر ہمارے لئے مشکلات پیدا کرے گا لیکن تم مجھے اپنا بنائے رکھنے کے لئے ایسی کتنی ہی مشکلات کا خاتمہ کر چکے ہو۔"

"ہاں جب کامیابی مشکل نظر آنے لگے گی تو وہ کسی حادثے کا شکار ہو جائے گا لیکن ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اسے بینک سے تین کروڑ نقد نہیں ملیں گے۔ ایک چیک ملے گا اور وہ یقیناً اس چیک کی رقم کو بینک کے ذریعے ہی اپنے لاہور والے اکاؤنٹ میں منتقل کرے گا۔"

"میں یہ مسئلہ بھی حل کر سکتی ہوں۔ اگر اسے اپنی طرف مائل کر لوں اور اس سے شادی کر لوں۔"

"یہ تو مجھے نقصان پہنچانے والی بات ہے۔ جب تم نے اسے چالیس برس کا کنوارہ کہا تھا' میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔"

"دیکھو صفدر! میں نے دولت حاصل کرنے کے لئے جرائم کا راستہ اختیار کیا ہے۔ تمہارے ذریعے کئی قتل کرائے ہیں۔ اس کے باوجود ایک عورت ہوں اور ایک شوہر کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ میں تمہارے سوا کسی کو اپنی تنہائی میں نہیں آنے دوں گی لیکن اس کے لاہور کے بینک اکاؤنٹ سے لاکھوں کروڑوں نکلوانے کے لئے اس کی شادی کرانا ضروری ہے۔ کوئی بھی عورت اس کی بیوی بن کر اس کے چیک پر دستخط کرا سکتی ہے اور اگر سیدھی طرح کام نہ بنا تو وہ بیوہ بن کر اس کی تمام دولت کی مالکہ بن سکتی ہے۔"

"تم ایک بیوی کی حیثیت سے میری وفادار ہو۔ یہ بات مجھے حوصلہ دیتی ہے۔ تم اس اندھے سے شادی نہیں کرو گی۔ اس کا مطلب ہے ہمیں کسی دوسری عورت پر بھروسہ کرنا ہو گا اور اسے اپنا رازدار بنانا ہو گا؟"

"صفدر! وہ ارب پتی مرغا ہے۔ میں کبھی کسی دوسری عورت پر بھروسا نہیں کروں گی۔"

وہ دونوں سوچنے لگے اور پریشان ہونے لگے۔ اکیسواں سیارچہ اتنا پُرکشش تھا کہ مشتری اس کی طرف کھنچی جا رہی تھی لیکن اس سے مال کھینچنے کی تدبیر ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ دونوں کبھی لیٹ رہے تھے' کبھی بیٹھ رہے تھے' کبھی اٹھ رہے تھے اور کبھی ٹہل رہے تھے۔ پھر مشتری نے اپنا سر پکڑ کر کہا۔ "مجھے چائے پلاؤ' سر میں درد ہو رہا ہے۔"

صفدر نے بہن کو آواز دے کر چائے لانے کے لئے کہا۔ پھر ایک دم سے چونک کر بولا۔ "کیا تم میری بہن چاند بی بی پر بھروسہ کرو گی؟"

مشتری بانو نے صفدر کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ "وہ ہمارے دباؤ میں رہتی ہے۔ تم سے ڈرتی بھی ہے۔ ہمارے ہر حکم پر بے چون و چرا عمل بھی کرتی ہے لیکن جب وہ ایک ارب پتی کی بیوی بنے گی' اسے بہت بڑا سہارا ملے گا تو وہ ہمارے اثر سے نکل جائے گی۔"

"تمہارے یہ اندیشے درست ہیں مگر اس کی چند کمزوریوں کو مدنظر رکھو۔ ایک تو وہ بہت ہی بزدل ہے۔ پھر اس کا حافظہ کمزور ہے۔ میں نے یعقوب کو قتل کرنے سے پہلے چاند بی بی کے گھر سے اسی کی آواز میں یعقوب کو اطلاع دی تھی کہ اس کے اکاؤنٹنٹ احمد علی کی ماں کو حادثہ پیش آیا ہے۔ میں اس سے جو کہتا رہا وہ کہتی گئی۔ پھر میں نے اسے تاکید کی کہ اس نے فون پر جو کچھ کہا ہے اسے بھول جائے اور اپنے شوہر کو بھی یہ بات نہ بتائے۔ اس نے میری بات پر عمل کیا۔ وہ کمزور حافظے کے باعث بھول گئی یا پھر یاد بھی رہا ہو گا تو اس نے میاں کو اس فون کے بارے میں کبھی نہیں بتایا۔"

وہ سنتی رہی اور سوچتی رہی چاند بی بی واقعی بڑی حد تک کام آ سکتی تھی لیکن مشتری بانو کا ذہن سازشی تھا۔ وہ سوچ رہی تھی میں نے جس شخص کی کمزوریوں کو لاکر میں رکھ کر پھر اسے اپنا شوہر بنا کر اپنے زیر اثر رکھا ہے۔ اس کی بہن پر مجھے بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس کی بہن اپنے بھائی سے مرعوب رہتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے بازی الٹے گی تو میں ہمیشہ کے لئے الٹ جاؤں گی۔

چاند بی بی نے دوپہر کو کھانا لا کر میز پر رکھا۔ مشتری سے کھایا نہ گیا۔ صفدر نے کہا "مجھ پر میری بہن پر بھروسا نہ کرو۔ مگر کچھ تو کھاؤ۔"

اس نے دو چار لقمے کھائے۔ پھر چائے کی فرمائش کی۔ جب چائے پینے لگی تو ذہن کھلنے لگا۔ الجھا ہوا مسئلہ سلجھنے لگا۔ اس نے کہا۔ "کچھ بات بن رہی ہے۔ اگر چاند بی بی کا نام بدل کر مشتری بانو رکھا جائے تو میں تمہاری بہن پر بھروسہ کر سکوں گی۔"

"یعنی تم چاہتی ہو' میری بہن کی شادی ملک حیات شاہ سے ہو لیکن نکاح نامہ پر دلہن کا نام مشتری بانو ہو۔"

"ہاں اور یہ چاہتی ہوں کہ ہم لاہور جا کر رہیں۔ شادی وہیں ہو اور کورٹ میرج ہو کیونکہ کراچی میں ہمارے کئی شناسا ہیں۔ میں لاہور میں دلہن بنوں گی۔ کورٹ میں ہمارا نکاح رجسٹرڈ ہوگا۔ ملک حیات شاہ اور اس کے قانونی مشیر وغیرہ مجھے دلہن کی حیثیت سے دیکھیں گے تو گواہ رہیں گے کہ میں اس نابینا کی دلہن ہوں۔"

"ابھی تو تم کہہ رہی تھی کہ چاند بی بی کو دلہن بناؤ گی۔"

"ہاں' نکاح میرا پڑھایا جائے گا۔ مگر سہاگ کی سیج پر چاند بی بی رہے گی۔"

وہ ذرا طیش میں آ کر بولا۔ "یہ کیا بکواس ہے؟ تم میری بہن کو بازاری عورت بنانا چاہتی ہو؟"

"میں بکواس کرتی ہوں؟ تم نے مجھے کہا کہ میں بکواس کرتی ہوں؟ تم چور اچکے' قاتل' لالچی' بے غیرت' کیا تم بازاری اور بدمعاش نہیں ہو؟ اور اگر ہو تو تمہاری بہن بازاری کیوں نہیں بن سکتی۔ تم چار برس سے میرے لئے کمائی کرتے آ رہے ہو۔ پھر میرے گھر میں تین وقت کھانے والی میرے لئے کمائی کیوں نہیں کر سکتی؟ کیا میں تم بھائی بہن کو گھر سے نکال دوں؟ کیا تمہیں کسی پولیس کیس میں پھنسا دوں؟ کیا میں تمہارے ایک سے ایک مجرمانہ کرتوت کے تحریری ثبوت کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں لا کر دکھاؤں؟"

وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ سر جھکا کر بولا۔ "وہ غلطی سے بکواس جیسا لفظ منہ سے نکل گیا۔ میں عاجزی سے کہتا ہوں۔ میری بہن کے لئے ایسا نہ سوچو۔"

"میں تمہاری بہن کی زندگی بنا رہی ہوں۔ وہ دنیا والوں کی نظروں میں اس ارب پتی نابینا کی شریک حیات بن کر محلوں میں راج کرے گی۔ ایئر کنڈیشنڈ کاروں میں

سیر کرے گی۔"

"وہ کیسے راج کرے گی۔ کیا شادی میں شریک ہونے والے گواہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ تمہاری جگہ میری بہن نے لے لی ہے۔"

"اسی لئے میں کورٹ میرج کی بات کر رہی ہوں۔ اس ارب پتی کو قائل کروں گی کہ خاموشی سے یا سادگی سے نکاح پڑھایا جائے اور نکاح میں صرف اس کا قانونی مشیر شریک رہے۔ بعد میں اس قانونی مشیر کی ایسی کی تیسی کر دی جائے گی۔"

"تمہارا یہ پیچیدہ منصوبہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

"جب ہم منصوبے پر عمل کرنے لگیں گے تو پیچیدگیاں ختم ہوتی جائیں گی۔ تم صرف اپنی بہن کو یہ ذہن نشین کرا دو کہ اس کا نام مشتری بانو ہے۔ وہ بیوہ نہیں کنواری ہے اور قسمت مہربان ہوگی تو وہ ملک حیات شاہ کی بیوی بن کر رہے گی۔"

"ٹھیک ہے' میں یہ باتیں اس کے ذہن میں نقش کر دوں گا۔"

"تمہیں پتا ہے' میرا نام کیا ہے؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ تم میری شریک حیات مشتری بانو ہو۔"

"تم کبھی بہت ہی عقل اور چالبازی کی باتیں کرتے ہو اور کبھی احمق بن جاتے ہو۔ کیا تمہاری بہن کا نام بھی مشتری اور بیوی کا نام بھی مشتری رہے گا؟ تم مجھے چاند بی بی کہہ سکتے ہو۔"

"پلیز ایسا نہ کہو۔ میں تمہیں اپنی بہن کے نام سے مخاطب نہیں کروں گا۔ میں تمہیں لیلیٰ کہوں گا۔"

مشتری نے طنزیہ نظروں سے مسکرا کر دیکھا۔ مالدار بیوی چار برس کے بعد بھی بلکہ چار سو برس کے بعد بھی لیلیٰ دکھائی دیتی ہے۔ ان دونوں نے اسی وقت سے چاند بی بی کو ٹریننگ دینا شروع کی۔ صفدر اپنی بہن کو ڈانٹ ڈپٹ کر سمجھاتا رہا کہ جب وہ نابینا مہمان آئے تو وہ مہمان اور اس کے قانونی مشیر کے سامنے کبھی نہ جائے۔ کبھی اتفاق سے سامنا ہو جائے تو وہ نابینا کے سامنے خود کو مشتری بانو کہا کرے۔ بلکہ اب ہمیشہ کے لئے اس کا یہی نام رہے گا اور وہ کل سے سرونٹ کوارٹر میں رہے گی۔ ان کی اجازت کے بغیر اس کوارٹر سے باہر نہیں نکلے گی۔

مشتری نے چاند بی بی کو اپنی خواب گاہ میں بلا کر اس کے سامنے ایک کیسٹ ریکارڈر رکھا پھر اس پر مختلف موضوعات پر باتیں کرنے لگی۔ کبھی اس سے کہا کہ وہ ہنس ہنس کر باتیں کرے۔ کبھی اسے روتے اور سسکتے ہوئے بولنے پر مجبور کیا اور کبھی کہتی رہی کہ وہ غصے میں باتیں کرتی رہے۔ اس طرح اس نے چاند بی بی کی آواز کو اور لہجے کے اتار چڑھاؤ کو مختلف جذبات کی روانی میں ریکارڈ کر لیا۔ صفدر نے پوچھا۔ "کیا تم میری بہن کی آواز اور لہجے میں بول سکو گی؟"

"میں جی جان لگا کر اس کی آواز اور لہجے کی نقل کرنے کی کوشش کروں گی۔ یہ میرے لئے چیلنج ہے کہ میں ایک ارب پتی کو جیت سکتی ہوں یا نہیں۔ اگر اس کے یہاں آنے تک میں نقالی میں کچھ ناکام رہوں گی تو یہ مشق جاری رکھنے کے لئے مزید ایک یا دو دنوں تک اس ارب پتی کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ تم اسے یہی بتاؤ گے کہ تمہاری بہن جو شادی کی تقریب میں لاہور گئی ہے' وہ دو دنوں کے بعد آئے گی۔"

"میں اپنا کام سنبھال لوں گا۔ مگر آواز کی نقالی کا مرحلہ دشوار گزار ہے۔ جو لوگ اندھے ہوتے ہیں ان کی قوت سماعت بڑی تیز اور حساس ہوتی ہے۔ وہ چہرے دیکھ نہیں سکتے لیکن آواز سے کسی کو بھی شناخت کر لیتے ہیں۔"

یہی ایک مشکل مرحلہ تھا۔ وہ دن رات چاند بی بی کا کیسٹ سن سن کر اس کی آواز اور لہجے کی نقل کرنے لگی۔ اس نے کبھی کسی اسٹیج پر یا کسی فلم میں اداکاری نہیں کی تھی لیکن حقیقی زندگی میں دولت کے حصول کے لئے طرح طرح کے رنگ بدلے تھے۔ ایک ہی دن میں کسی کو غصہ دکھایا تھا' کسی سے پیار بھری باتیں کی تھیں' کسی کے سامنے مگرمچھ کے آنسو بہائے تھے اور کسی کی گردن میں بانہیں ڈال کر قہقہے لگاتی رہی تھی۔ زندگی میں جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اچھی ایکٹنگ ہوتی ہے۔

مشتری اپنا مزاج اور لہجہ بدل بدل کر ادائیں دکھانے کی عادی تھی۔ اس لئے چاند بی بی کی فطری اداؤں کو بھی اپنانے کی کوشش کرنے لگی' ابتدا میں ذرا مایوسی ہوئی پھر وہ آواز اور لہجے کے اتار چڑھاؤ کو سمجھ کر چاند بی بی کے انداز میں بولنے لگی۔ اگرچہ ایک دن اور ایک رات میں پختگی نہیں آسکتی تھی لیکن وہ کھانا پینا' سونا اور آرام کرنا بھول گئی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے وہ آواز کے حوالے سے چاند بی بی بننے

کی لگن میں رہنے لگی تھی۔

لگن سچی اور پکی ہو اور سامنے اربوں روپے اپنی طرف کھینچ رہے ہوں تو آدمی گدھے کی آواز میں بھی بولنا سیکھ لیتا ہے۔ تاکہ وہ اربوں روپے اس کی پیٹھ پر لاد کر لے جائے جائیں۔ دوسری رات کو ایڈووکیٹ نے فون پر بتایا کہ وہ دوسرے دن گیارہ بجے کی فلائٹ سے شاہ صاحب کے ساتھ آ رہا ہے۔

مشتری بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہی تھی۔ اس نے دوسرے دن گیارہ بجے تک اور زیادہ محنت کر کے چاند بی بی کی آواز اور لہجے کو اپنایا۔ پھر صفدر کے ساتھ مہمان کے استقبال کے لئے ایئرپورٹ گئی۔ ایڈووکیٹ نے اپنے ملک حیات شاہ کا تعارف صفدر بخاری سے کرایا۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ پھر صفدر نے تعارف کرایا۔ "یہ میری سسٹر ہے مشتری بانو......." بیوی کو بہن نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس لئے انگریزی زبان میں پناہ لی۔ کیونکہ سسٹر ہسپتال کی نرس کو بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے اپنے دل کو تسلی دی کہ وہ بیوی کو یہ سسٹر نہیں' وہ سسٹر کہہ رہا ہے۔ یہ اور وہ کے فرق سے اپنے ضمیر کو سلا دینے میں آسانی ہوتی ہے۔

ملک حیات شاہ آنکھوں پر سن گلاس پہنے ہوئے تھا۔ مشتری نے قریب آکر سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مس مشتری! تم نے جو پرفیوم لگایا ہے' وہ میرا سب سے پسندیدہ پرفیوم ہے۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمیں ایک ہی خوشبو پسند ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "یہ عجیب اتفاق ہے۔ ویسے اتفاقاً صرف دل سے دل نہیں ملتا بلکہ خوشبو سے خوشبو بھی ملتی ہے۔"

"تم شاعرانہ انداز میں بول رہی ہو۔"

"مجھے شاعری سے لگاؤ ہے۔ میں شعر تو نہیں کہتی مگر پڑھتی بہت ہوں اور جو پسند آجائے اسے یاد کر لیتی ہوں۔"

ملک حیات شاہ کے ایک ہاتھ میں سفید ہاتھی دانت کے دستے کی چھڑی تھی۔ وہ چھڑی ٹیک کر اپنے قانونی مشیر کے سہارے چلتا ہوا مشتری کی کار تک آیا۔ وہ بولی "صفدر بھائی ڈرائیو کریں گے۔ میں ان کے ساتھ آگے بیٹھوں گی تو یہ نامناسب ہوگا کہ

ہمارے مہمان پیچھے بیٹھیں۔ لہٰذا بھٹی صاحب آپ اگلی سیٹ پر آ جائیں' میں شاہ صاحب کو تنہائی کا احساس نہیں ہونے دوں گی۔"

وہ پچھلی سیٹ پر شاہ صاحب کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ یہ اپنے ارب پتی مہمان کو اپنی ذات کے قریب لانے کی طرف پہلا قدم تھا۔ اس نابینا کو وہ خوشبو پسند تھی اس لئے وہ اس کی سانسوں میں خوشبو بساتی ہوئی اپنے گھر لے آئی۔

لنچ کے وقت کھانے کی میز پر وہ بولی۔ "مجھے کھانے میں آپ کی پسند کا علم نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے اپنی پسند سے پکایا ہے۔ رات کا کھانا آپ کی پسند کے مطابق ہو گا۔"

ملک حیات شاہ نے کہا۔ "یہ مناسب نہیں ہے کہ کھانا صرف میری پسند کا ہو۔ ہم سب ایک دوسرے کی پسند کا کھانا کھایا کریں گے۔"

اس نابینا کے ایک طرف مشتری بیٹھی ہوئی تھی۔ دوسری طرف صفدر تھا۔ وہ کئی طرح کی ڈشیں اس نابینا کو پیش کر رہا تھا۔ وہ ہر ڈش کو چکھتا تھا اور کہتا تھا۔ "سبحان اللہ! نہایت ہی لذیذ پکوان ہے۔ یہاں میں نے تم بھائی بہن کے علاوہ کسی تیسرے کی آواز نہیں سنی۔ شاید کوئی ملازم بھی نہیں ہے۔ کیا یہ کھانے مس مشتری نے پکائے ہیں۔"

صفدر نے کہا۔ "جی ہاں' مشتری کے ہاتھوں میں جادو ہے۔ میں کہیں دعوت میں جاتا ہوں تو آدھا پیٹ کھا کر آتا ہوں۔ تاکہ گھر آ کر میں اس کے ہاتھوں کا کھانا کھاؤں۔ سوچتا ہوں' جب یہ بیاہ کر چلی جائے گی تو میں آدھا پیٹ ہی کھایا کروں گا۔"

ملک حیات شاہ نے پوچھا۔ "اچھا تو تمہاری بہن کی کہیں شادی ہونے والی ہے؟"

"جی نہیں' رشتے تو بہت آتے ہیں لیکن اسے کوئی پسند نہیں آتا ہے۔"

ملک حیات شاہ نے بے نور آنکھوں سے خلا میں تکتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ میں بے شمار لڑکیوں میں سے کسی کو بھی شریک حیات بنا سکتا ہوں لیکن مجھے کوئی پسند نہیں آتی ہے۔ پسند کرنے کے لئے مجھے کسی کی صورت نظر نہیں آتی ہے لیکن میں آواز سے اور گفتگو کے انداز سے سمجھ لیتا ہوں کہ کون میرا گھر بسائے گی اور کون گھر اجاڑے گی۔"

ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی نے کہا۔ "میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ رشتے آسمانوں پر طے ہوتے ہیں۔ اگر آپ کے مقدر میں بھی کوئی لڑکی لکھ دی گئی ہے تو اسی سے آپ کی شادی ہو گی۔"

ارب پتی نابینا نے کہا۔ "میں چالیس برس کا ہو چکا ہوں! اگر فی زمانہ انسان اوسطاً پچاس برس تک زندہ رہتا ہے تو اب میری زندگی صرف دس برس رہ گئی ہے۔ ایسے میں کوئی لڑکی میرے مقدر میں لکھ دی گئی تو وہ بہت جلد بیوہ ہو جائے گی۔"

مشتری نے کہا۔ "پلیز آپ ایسی مایوس کن باتیں نہ کریں۔ آپ میرے مہمان ہیں۔ دعا کرتی ہوں کہ میری عمر بھی آپ کو مل جائے۔"

اس نے مشتری کو بے نور آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے بہت دھندلی سی نظر آ رہی ہو۔ کاش تمہیں صاف طور سے دیکھ سکتا۔ تم پہلی لڑکی ہو جس نے دعائیہ انداز میں اپنی عمر مجھے دینے کا عزم کیا ہے۔"

مشتری گفتگو کا ایسا انداز اختیار کر رہی تھی' جو ان کے درمیان بے تکلفی پیدا کرتا جا رہا تھا۔ صفدر نے شام کی چائے کے دوران بتایا کہ وہ اپنی سسٹر کے ساتھ لاہور جا کر مستقل رہائش اختیار کرنا چاہتا ہے۔

ملک حیات شاہ نے کہا۔ "میرے لئے' یہ بہت بڑی خوشی کی بات ہے۔ وہاں میری دو کوٹھیاں ہیں۔ ایک کوٹھی تم دونوں بہن بھائی کو دے دوں گا۔ سنا ہے تم ویڈیو فلم کا بہت بڑا اسٹوڈیو قائم کرنا چاہتے ہو اس کے لئے لاہور ہی مناسب رہے گا۔"

بات رفتہ رفتہ آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں اس نابینا کو تسخیر کرنے کی راہ ہموار کرتے جا رہے تھے۔ رات کو کھانے کے بعد وہ اس کے کمرے میں آئی۔ پھر بولی' "میں پوچھنے آئی ہوں' کیا آپ بیج بیڈ ٹی لینا پسند کرتے ہیں؟"

ملک حیات شاہ نے کہا۔ "یہ انگریزوں کی عادت ہے میں برش کرنے کے بعد کھانا پیتا ہوں۔ ویسے تم اتنا کھلا رہی ہو کہ تمہارے بھائی کی طرح میں بھی تمہارے ہی ہاتھوں کے پکوان کا محتاج بن کر رہ جاؤں گا۔"

"آپ میری اتنی تعریفیں نہ کریں۔ ورنہ میں مغرور ہو جاؤں گی۔ اچھا میں چلتی ہوں۔"

"یہاں میرے سامان میں ایک بریف کیس ہے۔ اسے کھول کر مجھے بتاؤ کہ اس میں زمین کے تمام اہم کاغذات اور تین کروڑ کی رسید ہے یا نہیں؟ مسٹر بھٹی نے تو کہا تھا کہ اس میں تمام ضروری کاغذات رکھ دیئے ہیں۔ پھر بھی میں اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے بریف کیس کے لاک نمبر بتائے۔ ان نمبروں کے مطابق مشتری نے اسے کھول کر دیکھا۔ اندر بہت سے قانونی دستاویزات تھے۔ سب سے اوپر تین کروڑ روپے کی ادائیگی کی رسید ایک کاغذ کے ساتھ منسلک تھی۔ اس کاغذ پر بینک کے سب سے بڑے افسر نے لکھا تھا کہ زمین کے اصل کاغذات مسٹر ملک حیات شاہ سے وصول کرنے کے بعد انہیں تین کروڑ کا چیک دے دیا جائے۔

مشتری وہ کاغذات پڑھ کر اس نابینا کو سنا رہی تھی اور اندر سے اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے کبھی تین کروڑ روپے ایک ساتھ نہیں دیکھے تھے۔ ان کاغذات سے یہ تصدیق بھی ہو رہی تھی کہ واقعی اس نابینا کو اتنی بڑی رقم ملنے والی ہے۔

ملک حیات شاہ نے تمام کاغذات کو سرسری طور پر سن کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ تمام کاغذات موجود ہیں۔ ایک بات بتاؤ۔ یہاں کمرے میں کوئی موجود ہے؟"

"جی نہیں، صرف میں ہوں۔"

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پلیز دروازے کو اندر سے بند کر دو۔"

وہ دروازے کے پاس گئی پھر اسے بند کرنے کے بعد آ کر بولی۔ "میں نے دروازہ بند کر دیا ہے۔"

وہ بولا۔ "میں آنکھوں سے مجبور ہوں۔ آنکھوں والے بھی سب کچھ دیکھتے ہوئے ہر ایک پر بھروسا نہیں کرتے ہیں۔ پھر میں کسی پر پوری طرح کیسے اعتماد کر سکتا ہوں۔"

"آپ درست کہتے ہیں۔ پتا نہیں کیوں میں آپ سے متاثر ہو رہی ہوں۔ اگر میں کسی طرح تھوڑا بہت آپ کا اعتماد حاصل کر سکتی ہوں اور کسی کام آ سکتی ہوں تو مجھے بتائیں۔"

"میں نے یہی کہنے کے لئے دروازہ بند کرایا ہے۔ دراصل میں اپنے قانونی مشیر پر بھی زیادہ بھروسہ نہیں کرتا ہوں۔ اس کی وجہ پھر کسی وقت بتاؤں گا۔ فی الحال یہ چاہتا ہوں کہ جب میں بینک کے کام سے جاؤں تو تم میری آنکھیں بن کر میرے ساتھ رہو اور وہاں لکھنے پڑھنے کا جو کام ہو رہا ہے اسے توجہ سے دیکھتی رہو۔ اگرچہ قانونی مشیر تمہاری موجودگی پسند نہیں کرے گا لیکن تم اس کی پروا نہ کرنا۔ کیا تم میرا ساتھ دے سکو گی؟"

"یہ تو میری خوش نصیبی ہے کہ آپ قانونی مشیر کے مقابلے میں مجھ پر زیادہ اعتماد کر رہے ہیں۔ میں بھٹی صاحب جیسے لوگوں کی پروا نہیں کرتی۔ ہر حال میں، ہر مشکل میں آپ کا ساتھ دیتی رہوں گی۔"

"بہ خدا تمہاری باتوں میں بڑی اپنائیت ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے کہ برسوں کی تنہائی کے بعد میرا کوئی اپنا مجھے مل گیا ہے۔"

"میں کوشش کروں گی کہ آپ آئندہ خود کو تنہا نہ سمجھیں۔ میں جا رہی ہوں۔ ورنہ مسٹر بھٹی مجھ سے طرح طرح کے سوالات کریں گے۔"

اس نے آخری فقرے سے ظاہر کر دیا کہ وہ بھٹی سے بھی چھپ کر ملنے آئی تھی۔ ایسا کہنے سے اگلے کے دل میں رومانس کی گدگدی شروع ہوتی ہے۔ وہ دروازہ کھول کر چلی گئی۔

یہ بات اطمینان بخش تھی کہ وہ قانونی مشیر بہت زیادہ اہم اور قابلِ اعتماد نہیں تھا۔ اس کے مقابلے میں وہ اس نابینا کا اعتماد حاصل کر رہی تھی۔

☆------☆------☆

دوسرے دن وہ اس کے ساتھ بینک گئی۔ صفدر اور حمید اختر بھٹی بھی ان کے ساتھ تھے۔ بینک میں تین کروڑ روپے کی ادائیگی کے سلسلے میں جو کارروائی ہوتی رہی' اس سے مشتری اور صفدر بخاری متاثر ہوتے رہے اور ملک حیات شاہ کی شخصیت سے بھی مرعوب ہوتے رہے۔ متاثر اور مرعوب ہونے کی بات ہی تھی۔ کیونکہ وہاں کوئی جھوٹ یا فراڈ نہیں تھا۔ ساری کارروائیاں عدالتی کاغذات اور بہت بڑے بینک کے قواعد و ضوابط کے مطابق ہی ہو رہی تھیں۔

پھر بینک کے چند بڑے افسران ملک حیات شاہ سے جس طرح عزت و احترام سے پیش آ رہے تھے' اس سے بھی ثابت ہو رہا تھا کہ وہ اپنے نابینا لاہور سے کراچی تک معروف اور محترم ہے۔ مشتری کی زندگی میں پہلے کبھی اتنا بڑا سیارچہ نہیں آیا تھا۔ اتنا بڑا شکار کھیلتے وقت وہ کچھ گھبرا سی رہی تھی۔ جب بینک سے تین کروڑ روپے کا چیک جاری ہوا اور وہ لاہور کے بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کیا جانے لگا تو وہ سحر زدہ سی ہو گئی۔ وہ بے نور آنکھوں والا اس کے حواس پر چھا گیا تھا۔

صفدر نے پلاننگ کے مطابق کہا۔ "مشتری! میں اسٹیٹ ایجنٹ کے پاس جا رہا ہوں۔ اس سے کہہ دوں گا کہ وہ ہمارے ویڈیو اسٹوڈیو کے لئے زمین تلاش نہ کرے۔ ہم یہ کاروبار لاہور میں کریں گے۔"

اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے' آپ جائیں' میں شاہ صاحب اور بھٹی صاحب کے ساتھ گھر چلی جاؤں گی۔"

حمید اختر بھٹی نے کہا۔ "یہاں کئی ایڈووکیٹ اور سٹی کورٹ کے جج میرے دوست ہیں۔ میں ان سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔ آج رات کا کھانا کھانے کے بعد ہی آؤں

گا۔"

یوں بات بن گئی۔ بینک سے واپسی میں وہ ملک حیات شاہ کے ساتھ تنہا تھی۔ کار ڈرائیو کرتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "دو گھنٹے تک بینک کے اندر گھٹن محسوس ہوتی رہی۔ کیا خیال ہے سمندر کے ساحل پر تازہ ہوا کھائی جائے۔ آج موسم بھی اچھا ہے۔"

"یہ تم میرے دل کی بات کہہ رہی ہو۔ جب مسٹر بھٹی اور تمہارے بھائی چلے گئے تو مجھے یوں لگا جیسے قدرت نے ہمیں تنہا ایک ساتھ رہنے کا یہ مواقع فراہم کیا ہے۔"

وہ بولی۔ "جب سے ہماری ملاقات ہوئی ہے تب سے میں آپ کی باتوں اور آپ کے حسن سلوک سے محسوس کر رہی ہوں کہ آپ مجھ پر نہ جانے کیوں اعتماد کر رہے ہیں۔ مجھے اپنا سمجھ رہے ہیں اور میرے ساتھ زیادہ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں زیادہ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ تم اپنے زیادہ وقت کو میرے لئے اور کس قدر زیادہ کر سکتی ہو۔"

"آپ جتنا چاہیں گے' اتنا ہی وقت دوں گی۔"

"اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تم سے کبھی نہ ختم ہونے والا وقت مانگتا لیکن میں اپنی اندھیری دنیا میں........"

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "پلیز آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ آپ دوسرے تمام آنکھوں والوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ اگر آپ صرف آنکھوں کی کمی محسوس کرتے ہیں تو میں آپ کی آنکھیں بن جاؤں گی۔"

وہ خوشی سے مشتری کی طرف مڑ گیا۔ پھر بولا۔ "تم بول رہی ہو' میں سن رہا ہوں۔ پھر بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم مجھے اس قدر خوش نصیب بنا رہی ہو۔ آج میں نے تین کروڑ روپے حاصل کئے ہیں۔ تمہیں پا لینے کی خوشی میں یہ رقم کچھ بھی نہیں ہے۔ اس وقت میری سب سے بڑی خواہش ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے سہی' میں تمہیں ایک نظر دیکھ لوں۔"

"میں آپ کی یہ خواہش پوری کروں گی۔ لاہور آؤں گی تو آئی بینک سے آپ کو آنکھوں کی روشنی دلاؤں گی۔"

"پہلے میں سوچتا تھا' یہ دنیا اندھیری ہی اچھی ہے۔ یہاں دیکھنے کے لئے کچھ نہیں

ہے۔ اس لئے میں دوسرے اندھوں کو آنکھوں کی روشنی دلا کر نیکی کرتا تھا اور بڑی روحانی مسرتیں حاصل کرتا تھا۔ اب میں تمہیں دیکھنے کے لئے نئی آنکھیں حاصل کروں گا۔"

"میں چاہوں گی کہ آپ صفدر بھائی سے میرے لئے بات کریں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "مم.......... میں۔ میں اس سلسلے میں زبان کھولوں گا تو وہ میری اندھی آنکھوں کو دیکھیں گے۔"

"جب مجھے منظور ہے تو وہ اعتراض نہیں کریں گے۔ میں گھر جاتے ہی ایک پرچی ان کے نام لکھوں گی کہ ہم نے ایک دوسرے کو پسند کرلیا ہے۔ آپ میرا رشتہ مانگنے والے ہیں۔ لہٰذا وہ اعتراض نہ کریں۔ آپ رات کو کھانے کے بعد ان سے بات کریں۔"

"ضرور کروں گا۔ جب تم پہلے سے راستہ ہموار کرو گی تو میں بڑے حوصلے سے تمہیں اپنے لئے مانگ لوں گا۔"

اس نے سمندر کے ساحل پر کار روک دی' پھر کہا۔ "آپ باہر آجائیں' بڑی اچھی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔"

وہ بولا۔ "کار کی کھلی ہوئی کھڑکیوں سے ٹھنڈی ہوائیں آرہی ہیں۔ تم میرے پاس بیٹھو۔ میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے دونوں طرف کے دروازے کھول دیئے تاکہ تازہ ہوا آتی رہے' پھر کہا "آپ فرمائیں' میں سن رہی ہوں۔"

"میں تمہارا بھرپور اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا ہمیں ایک دوسرے کے اندرونی حالات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ ایک دوسرے سے کوئی راز نہیں چھپانا چاہئے۔"

وہ بولی۔ "میں نے ایک سیدھی سادی آئینے کی طرح صاف و شفاف زندگی گزاری ہے۔ میں نے بھائی کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ زندگی میں پہلی بار ان سے چھپ کر ان کی لاعلمی میں کل رات آپ سے ملنے آئی تھی اور اب یہاں سمندر کے کنارے ہوں۔ آپ خود میرے چال چلن کا اعتراف کریں گے کہ آپ سے گہری

اپنائیت رکھنے کے باوجود میں نے آپ کے اور اپنے درمیان ایک فاصلہ رکھا ہے اور یہ فاصلہ شادی تک قائم رہے گا۔"

"میں نے تمہاری شرافت اور شرم و حیا کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ اب اگر یہ یقین دلا دو کہ تم ہر طرح کی مخالفتوں کے باوجود ضرور میری شریک حیات بنو گی تو میں تمہیں اپنا ایک شریک راز بناؤں گا۔"

اس کے دل میں ایک تجسس پیدا ہوا کہ وہ کیا راز ہے؟ وہ بولی۔ "ہماری شادی کی کوئی مخالفت نہیں کرے گا۔ اگر بھائی نے مخالفت کی تو میں آپ کے ساتھ چپ چاپ جا کر کورٹ میرج کرلوں گی۔ مجھے بتائیں وہ راز کیا ہے؟"

وہ چند لمحوں تک سوچنے کے انداز میں خاموش رہا پھر بولا۔ "میرا کوئی کاروبار نہیں ہے اور نہ ہی میری کہیں ایک گز زمین بھی ہے۔ اس کے باوجود میں بے انتہا دولت مند ہوں۔"

"عجیب بات ہے' آپ اتنے دولت مند کیسے ہوگئے؟"

"اگر میں کہوں کہ میں نے جھوٹ' فراڈ اور ہیرا پھیری کے ذریعے دولت حاصل کی ہے تو کیا تم مجھ سے نفرت کرو گی؟"

"آپ اس وقت میرے لئے دنیا کے سب سے سچے انسان ہیں کیونکہ مجھ سے صاف صاف اپنا ایک اہم راز بیان کر رہے ہیں۔ آپ مجھے دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتے۔ میں آپ سے بہت خوش ہوں۔"

"میں پہلی ملاقات سے سمجھ رہا ہوں کہ تم میری ہم مزاج اور ہم خیال ہو۔ جب دو افراد ایک ہی خوشبو پسند کرتے ہیں تو پھر وہ فطرتاً ہم مزاج اور ہم خیال ہوتے ہیں۔ بہرحال شادی سے پہلے یہ بتا دوں کہ میں ارب پتی نہیں ہوں البتہ کروڑ پتی ہوں۔ فی الوقت میرے اکاؤنٹ میں تقریباً تین کروڑ روپے ہیں اور لاہور میں ایک کوٹھی ہے۔"

یہ خوابوں کے چکنا چور ہونے والی بات تھی کہ اندھا شکار ارب پتی نہیں ہے لیکن یہ بات اطمینان بخش تھی کہ وہ ایسا عاشق اور دیوانہ ہوگیا تھا کہ اپنی معشوق سے فراڈ نہیں کر رہا تھا۔ جو سچائی اس کے اندر تھی' اسے وہ بڑی محبت سے باہر نکال رہا

تھا۔

پھر یہ کہ تین کروڑ روپے کچھ کم نہیں ہوتے۔ وہ اس دیوانے کی منکوحہ کہلا کر کروڑ پتی بن سکتی تھی۔ اس نے کہا۔ "شاہ صاحب! آپ مجھے اپنی دولت کا حساب نہ دیں۔ یہ میری محبت کی توہین ہوگی کہ میں شادی سے پہلے آپ کی دولت اور جائیداد کا حساب لے رہی ہوں۔"

"میں حساب نہیں دے رہا ہوں۔ دراصل ایک معاملے میں تمہیں رازدار بنا رہا ہوں۔"

یعنی اصل راز ابھی باقی تھا۔ ابھی وہ بیان نہیں کیا گیا تھا۔ اس اندیشے میں کچھ اور گہرائی تھی اور وہ رفتہ رفتہ اس گہرائی سے باہر آرہا تھا۔ وہ بڑے اضطراب میں مبتلا ہوگئی۔ بڑی بے چینی سے بولی۔ "آپ کس معاملے میں مجھے رازدار بنانا چاہتے ہیں؟"

وہ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر بولا۔ "ایک کنواری لڑکی کا ہاتھ شادی سے پہلے نہیں پکڑنا چاہئے لیکن میں چاہوں گا کہ ابھی اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر قسم کھاؤ کہ میں اپنی آمدنی کا جو ذریعہ تمہیں بتاؤں گا' اس کا ذکر تم اپنے بھائی سے بھی نہیں کرو گی۔"

وہ اپنی خفیہ آمدنی کا ذریعہ بتانے والا تھا۔ وہ تو ایسے ہی ذرائع کی تلاش میں رہتی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ "میں قسم کھاتی ہوں کہ آپ کا راز میری زندگی کے ساتھ ہی دنیا سے جائے گا۔ بھائی سے تو کیا' دیوار سے بھی کچھ نہیں کہوں گی۔"

اس نے اپنے ہاتھ میں مشتری کے ہاتھ کی حرارت کو محسوس کیا پھر کہا۔ "میں کمیشن ایجنٹ ہوں۔ کسی بھی آمدنی کا تیس فیصد لیتا ہوں۔ مثلاً ابھی تمہارے سامنے بینک میں' میں نے تین کروڑ کا چیک حاصل کیا ہے۔ یہ پورے تین کروڑ میرے نہیں ہیں۔ تیس فیصد کے حساب سے میرے صرف نوے لاکھ روپے ہیں۔ باقی دو کروڑ دس لاکھ روپے اس پارٹی کے ہیں' جس سے میں نے کمیشن وصول کیا ہے۔"

"میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔ آخر وہ کون سی پارٹی ہے؟ اس کا بزنس کیا ہے وہ آپ کو بیٹھے بٹھائے تین کروڑ میں سے نوے لاکھ دے دیتی ہے۔"

"ہاں اس میں اور بہت سی حیرانی کی باتیں ہیں۔ مثلاً اس پارٹی کا کوئی لین دین والا بزنس نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ پارٹی اتنی معتبر ہے کہ وہ بہت بڑے بینک سے مجھے کروڑوں کا چیک دلاتی ہے۔ وہ چیک میرے اکاؤنٹ میں جاتا ہے۔ میں اس میں سے اپنا کمیشن رکھ کر باقی رقم چور راستوں سے اس پارٹی تک پہنچا دیتا ہوں۔"

"آخر وہ کون سی پارٹی ہے؟"

"وہ ایک سیاسی پارٹی ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "سیاسی پارٹی؟"

"ہاں' دنیا کی اور کسی پارٹی میں اتنا زور کہاں ہے کہ کسی کاروباری لین دین کے بغیر ملک کے بڑے بینکوں سے کروڑوں روپے نکلوا لے۔"

"اوہ گاڈ! یہاں تو آنے والی ہر نئی حکومت میں مختلف بینکوں کے اسکینڈل عام ہوتے ہیں لیکن کسی بھی حکومت میں کروڑوں اور اربوں روپے کا گھپلا کرنے والے گرفتار نہیں کئے جاتے۔"

"یہی بات ہے۔ دیکھ لو کہ مجھے آج تک کسی حکومت نے گرفتار نہیں کیا۔"

"کیا آپ سیاست داں ہیں؟"

"ایک اندھا کیا سیاست کرے گا۔ یہاں تو صرف چند آنکھ والے سیاست کرتے ہیں اور باقی عوام کو اندھا بنا کر رکھتے ہیں اور میں تو اتفاق سے انہیں سچ مچ کا اندھا مل گیا ہوں۔ مجھے کسی ثبوت کے بغیر قانون کے ہاتھ کیسے گرفت میں لے سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں گرفتار کر سکتے؟ تم نے بینک میں سب کے سامنے ایک کثیر رقم کا چیک وصول کرنے کے سلسلہ میں ایک رسید پر دستخط کئے ہیں۔"

"ہاں' میں نے زمینیں فروخت کرنے کے عوض وہ تین کروڑ حاصل کئے ہیں۔"

"لیکن آپ نے ابھی کہا ہے کہ آپ کے پاس کبھی ایک گز زمین بھی نہیں رہی ہے۔"

"ہاں' میں کسی زمین کا مالک نہیں ہوں لیکن ایک سیاست داں نے اپنی پچاس مربع میل زمین میرے نام لکھ دی ہے لیکن اس سے پہلے اس نے مجھ سے ایک کچے

کاغذ پر دستخط کرا لئے ہیں' اس قانونی کاغذ کی رو سے میں نے وہ زمین اس سیاست داں کو واپس کر دی ہے۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ "اب ذرا غور کرو کہ میری پوزیشن کیا ہے؟ میرے پاس یہ ثبوت نہیں ہے کہ میں نے وہ زمین واپس کر دی ہے کیونکہ واپسی کے کاغذ اس سیاست داں کی تحویل میں ہیں اور میرے پاس پچاس مربع میل کی زمینوں کے جو کاغذات ہیں وہ محض دکھاوے کے لئے ہیں۔"

"اچھا تو وہ زمینیں جو ہاتھی کے دانتوں کی طرح صرف دکھانے کی ہیں' انہیں فرضی گاہکوں کو فروخت کر کے ایک سیاست داں کے اثر و رسوخ سے تین کروڑ روپے بینک سے لئے ہیں۔"

"ہاں' مگر میں نے ان زمینوں کے عوض رقم نہیں لی ہے' جنہیں سیاستداں نے صرف دکھاوے کے لئے میرے نام کر رکھا ہے۔ اگر میں ان زمینوں کے عوض رقم لوں گا تو کسی نہ کسی دن قانون کی گرفت میں آجاؤں گا۔"

"تو پھر آپ نے کیا کیا ہے؟"

"میں اندھا کیا کر سکتا ہوں؟ سب اس سیاستداں نے کیا ہے۔ ایک پٹواری کو بھاری رقم دے کر فرضی زمینوں اور ان کے فرضی خریداروں کے کاغذات تیار کرائے تھے۔ وہ فرضی زمین فرضی خریداروں نے تین کروڑ میں خریدی ہے۔ اگر کبھی فراڈ کھلے گا کہ فروخت کے کاغذات پر نہ کوئی ویسی زمین ہے اور نہ ہی وہ خریدار ہیں' جن کے دستخط کاغذات پر ہیں تو میں گرفت میں نہیں آؤں گا کیونکہ میں تو اندھا ہوں۔ کاغذات کی لکھا پڑھی کرنے والوں نے اور جعلی دستخط کرنے والوں نے میرے اندھے پن سے فائدہ اٹھا کر مجھے دھوکا دیا ہے۔"

"لیکن آپ نے تین کروڑ کا چیک وصول کیا ہے؟"

"میں تمہیں ساتھ لے گیا تھا تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ آنکھ والوں کو کیسے اندھا بنایا جاتا ہے۔ جن فرضی خریداروں نے زمینیں خریدی تھیں ان کے جعلی ناموں سے اکاؤنٹ کھولے گئے۔ ان سب کے مجموعی اکاؤنٹ کی رقم تین کروڑ روپے تھی لیکن ایک دن پہلے وہ تین کروڑ نکال لئے گئے تھے اور بینک رجسٹر میں رقم نکالے جانے کی

انٹری نہیں ہوئی تھی۔ انٹری کرتے وقت اکاؤنٹنٹ کو بتایا ہی نہیں گیا۔ اب اگر فراڈ کا علم ہو گا تو وہ بیچارہ اکاؤنٹنٹ پکڑا جائے گا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ جن چیکوں کے ذریعے تین کروڑ نکالے گئے ان کے چیک نمبر اور نکالی جانے والی رقمیں رجسٹر میں درج کیوں نہیں کی گئی تھیں۔ ایسا نہ کرنے کے باعث رجسٹر سے یہی ثابت ہوا کہ وہ تین کروڑ نکالے نہیں گئے ہیں اور یوں بینک والوں نے دھوکا کھا کر مجھے تین کروڑ کا چیک دے دیا ہے۔"

مشتری نے کہا۔ "یہ فراڈ سمجھ میں آرہا ہے مگر بڑا ہی پیچیدہ فراڈ ہے۔"

"فریب جتنا پیچیدہ ہوتا ہے' اتنا ہی زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ تم اندازہ کرو کہ میں کروڑ پتی بن گیا اور جو سیاست داں ہر حکومت کے دور میں میرے اندھے پن سے کھیل کر پوری قوم کو اندھا بنا رہے ہیں اور ملکی خزانہ خالی کرتے جا رہے ہیں' وہ کس طرح ارب پتی بن رہے ہیں۔"

"آپ کس سیاست داں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں؟"

"وہ فی الحال ایک ناکام سیاست داں ہے۔ چند برس پہلے حکمران پارٹی کا ایک اہم رکن تھا۔ اس دور میں اس نے ایسے افسر شاہی عہدیداروں سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا جن کا تعلق بڑے بڑے بینکوں سے اب بھی ہے۔ انہوں نے باقاعدہ ایک گروہ بنا رکھا ہے۔ یہ گروہ حکومت اور قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہتا ہے۔ صرف میری آنکھوں میں دھول نہیں جھونکتا۔ کیونکہ میں اندھا ہوں۔"

مشتری اخبارات میں پڑھتی تھی کہ قومی خزانے سے لاکھوں' کروڑوں اور اربوں روپے مختلف حیلوں بہانوں سے حاصل کئے جاتے ہیں' پھر وہ روپے قومی خزانے میں واپس نہیں لائے جاتے اور اتنی بڑی رقمیں اکثر قرضوں کی صورت میں حاصل کی جاتی ہیں۔ اس طرح خزانہ خالی کیا جاتا ہے پھر ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ورلڈ بینک سے قرضے لئے جاتے ہیں۔

اس کھلی حقیقت کو سمجھنا چاہئے کہ جہاں کشش ہو گی' وہاں تباہی ہو گی۔ ایک چیز اپنی کشش سے دوسری چیز کو کھینچتی ہے تو وہ چیز اس سے آکر ٹکراتی ہے۔ ٹکراؤ سے دھماکہ پیدا ہوتا ہے اور دونوں آپس میں ٹکرانے والے ٹوٹتے پھوٹتے ہیں پھر جب یہ

کشش ماند پڑتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟

مشتری کے پاس جو خزانہ (بینک بیلنس) تھا' وہ ملک حیات شاہ کروڑپتی کے مقابلے میں اتنا کم تھا کہ مشتری کی کشش ماند پڑ گئی تھی اور اس نابینا کی کشش بے انتہا شدید ہو گئی تھی۔

سائنس دانوں نے شاید اس پہلو پر غور نہیں کیا ہے کہ اکیسواں سیارچہ جو بہت ہی زبردست ہے' وہ مشتری کی طرف کھنچا جا رہا ہے یا (سیارہ) مشتری اس کی طرف کھنچی چلی آ رہی ہے۔ ویسے یہ کلیہ سمجھ میں آ گیا ہے کہ کم کشش والی چیز زیادہ کشش والی چیز کی طرف دوڑی چلی آتی ہے اور یہ تو پاکستان کی تاریخی سچائی ہے کہ جب بھی ملکی خزانہ خالی ہوتا ہے تو پاکستان کی کشش کم اور ورلڈ بینک کی کشش بے انتہا زیادہ ہو جاتی ہے۔ یوں ملک خداداد کے حکمران' ورلڈ بینک کی طرف کشکول اٹھائے دوڑتے چلے جاتے ہیں۔

مشتری بانو نے کہا۔ "آپ نے مجھے راز دار بنا کر میرے سامنے جھوٹ اور فریب کے قومی اور بین الاقوامی دروازے کھول دیئے ہیں۔"

ملک حیات شاہ نے کہا۔ "میں نے دروازے کھول دیئے ہیں تم یہ بتاؤ کیا اس دروازے سے داخل ہو کر میرے سامنے آگے بڑھتی رہو گی؟"

"آپ مجھے ایک شاندار مستقبل اور خوش حالی کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ مجھے جس راہ پر چلائیں گے میں اسی راہ پر چلوں گی۔"

وہ بولا۔ "زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ کیا پتا کب وہ میرا ساتھ چھوڑ دے یا کب تمہارا ساتھ چھوڑ دے۔ جب ہم میاں بیوی ہوں گے تو موت کے بعد ایک دوسرے کی دولت اور جائیداد کے حق دار ہوں گے' لیکن جب تک ہم زندہ رہیں گے' تب تک ہمارے دھندے' ہماری آمدنی اور ہمارے بینک اکاؤنٹس الگ الگ رہیں گے۔"

"کیا ایسا کرنا ضروری ہے؟"

"ہاں اگر کبھی کم بختی سے میں قانون کی گرفت میں آؤں گا تو عدالتی حکم سے میرا اکاؤنٹ سیل کر دیا جائے گا لیکن تم محفوظ رہو گی۔ میں بڑے بڑے داؤ لگاتا آیا

ہوں۔ لہٰذا میرے لئے خطرات بڑے ہیں۔"

"میں خطرات سے ڈرتی نہیں ہوں۔ میں بھی پیچیدہ مراحل سے گزرنے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ آج کے دور میں لاکھ روپے کچھ نہیں ہوتے۔ میں آپ کی طرح کروڑوں کا گیم کھیلوں گی۔"

"دیکھو تم ایک معصوم دوشیزہ ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ مجھ سے محبت کرنے والی نے کبھی کسی سے ہزاروں لاکھوں روپے کا فراڈ نہیں کیا ہے۔ تمہیں ایک ایک زینہ کر کے اوپر آنا چاہئے۔ میں اس لئے ایسا کہہ رہا ہوں کہ میری بتائی ہوئی ہیرا پھیری سے لاکھ دو لاکھ کماؤ گی تو اس سلسلے میں تمہارا ایک نیا پیسا بھی خرچ نہیں ہو گا۔ ورنہ کروڑوں کی آمدنی کے لئے پہلے لاکھوں لگانے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ رقم تمہارے بھائی کے پاس رہتی ہے۔ اس لئے تمہارے بھائی کو بھی راز دار بنانا ہو گا اور میں نہیں چاہتا کہ ہمارے درمیان کوئی تیسرا راز دار بن جائے۔"

"میرے والد نے انتقال سے پہلے ہم بھائی بہن کو ہمارا حصہ دے دیا تھا۔ میرے ذاتی اکاؤنٹ میں ستر لاکھ سے کچھ زیادہ ہیں۔ مجھے آپ کا یہ مشورہ پسند ہے کہ صفدر بھائی کو راز دار نہیں بنانا چاہئے۔"

وہ اپنے دل سے یہ بات کہہ رہی تھی کیونکہ وہ اپنی آمدنی کے سلسلے میں صفدر کو شریک نہیں کرتی تھی اور نہ ہی کبھی اسے اپنے بینک بیلنس کے متعلق بتایا کرتی تھی۔ وہ صرف ایک شوہر کی حیثیت سے اسے پسند تھا اور وہ اسی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ ملک حیات شاہ کے ذریعے اگرچہ کروڑپتی بن سکتی تھی۔ اس کے باوجود اس نابینا کو اجازت نہیں دے سکتی تھی کہ وہ اس کے بدن کو ہاتھ لگائے۔ اس نے ایک آدھ بار اس کے سامنے اپنی آنکھوں پر سے سیاہ چشمہ ہٹایا تھا۔ اس اندھے کے ذرا باہر کو نکلے ہوئے دیدے اور سیاہ پتلیوں پر چھائی ہوئی سفیدی اور پیلے پن کو دیکھ کر کراہیت سی محسوس ہوئی تھی۔ ایسے شخص کو وہ دل نہیں دے سکتی تھی۔ صرف اس کے ساتھ دماغی الٹ پھیر کے کام کر سکتی تھی۔

اس نے واپسی کے لئے گاڑی موڑ دی پھر ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔ "آپ ابھی صفدر بھائی سے میرا رشتہ نہ مانگیں۔ اگرچہ مجھے ان کے انکار کی پروا نہیں ہے لیکن

رشتے کی بات چلے گی تو وہ یہاں سے لاہور منتقل نہیں ہوں گے۔ یہ نہیں چاہیں گے کہ وہاں میں آپ سے ملاقات کرتی رہوں۔"

"تم درست کہتی ہے لیکن آئندہ تم لکھ پتی سے کروڑ پتی بننے کے لئے جو اقدامات کرو گی اس سے پہلے میں چاہوں گا کہ ہماری شادی ہو جائے۔ کیونکہ میں تمہیں صرف بیوی بنانے کے بعد ہی اپنے سیاستدانوں کے ذریعے ایک بینک میں گھپلا کراؤں گا اور تمہیں مطلوبہ رقم دلاؤں گا۔"

"مجھے بتائیں کہ میں زیادہ سے زیادہ کتنی رقم حاصل کر سکتی ہوں؟"

"ایسے لین دین میں بڑی حصے داریاں ہوتی ہیں۔ وہ سیاست داں تمہارا پارٹنر ہوگا لیکن پٹواری اور چند نوکر شاہی افسران کو لاکھوں کی رشوتیں دینی ہوں گی۔ ایک سرسری سا حساب یوں سمجھ لو کہ تم پچیس لاکھ دو گی تو تمہیں ایک کروڑ ملیں گے اور پچاس لاکھ دو گی تو دو کروڑ حاصل کر سکو گی۔"

"یعنی جتنے پچیس دوں گی اتنے ہی کروڑ ملیں گے؟ کیا آپ بھی اسی حساب سے رقم لگاتے ہیں؟"

"میں ایک ٹکا بھی نہیں لگاتا ہوں۔ تم بھول رہی ہو۔ ابھی میں نے یہ کہا تھا کہ میرا اندھا پن ان کے لئے بہت مضبوط ڈھال ہے۔ اگر کبھی فراڈ کھلے گا تو اس سیاست داں اور چند نوکر شاہی بڑے افسران پر ذرا بھی آنچ نہیں آئے گی۔ پہلے تو ساری مصیبتیں مجھ پر آئیں گی پھر یہ ثابت ہوگا کہ میں بے قصور ہوں۔ دوسروں نے میرے اندھے پن سے فائدہ اٹھایا ہے۔"

"میں نابینا نہیں ہوں۔ کبھی قانونی طور پر میرا محاسبہ ہو سکتا ہے۔ میں گرفت میں آسکتی ہوں۔"

"ہمارے ملک میں ایک ایسا منافع بخش اور محفوظ جرم ہے، جس کا مجرم آج تک نہیں پکڑا گیا۔ میں اخبار پڑھ نہیں سکتا۔ تم پڑھتی ہوگی۔ کیا تم نے کبھی یہ پڑھا یا سنا کہ قومی خزانہ خالی کرنے والے سیاست دانوں اور نوکر شاہی افسروں کو گرفتار کیا گیا ہو؟"

"ایسے ایک آدھ کے متعلق پڑھا ہے لیکن کبھی یہ نہیں پڑھا کہ انہیں کوئی سزا

ملی ہے۔ ان کا مقدمہ یا تو خاموشی سے ختم ہوگیا یا پھر ڈرامائی انداز میں اس کیس کی نوعیت بدل دی گئی۔"

"تو بس اطمینان رکھو، خدا نخواستہ تم پر الزام آئے گا تو تمہیں مکھن کے بال کی طرح الزامات کی دلدل سے نکال لے جانے کے بڑے راستے ہیں اور یہ کہاوت تو تم نے سنی ہوگی کہ نو رسک نو گیم۔ بازی جیتنے کے لئے خطرات سے کھیلنا ہی پڑتا ہے۔"

وہ کوٹھی میں واپس آ گئے۔ مشتری ملک حیات شاہ کو اس کے کمرے تک پہنچا کر اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔ آج اس نابینا عاشق نے اس کے آگے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔ اپنا کمرا راز اور خفیہ آمدنی کا ذریعہ بتانے والے کی عاشقی اور دیوانگی میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ دولت کے زینوں پر چڑھنے کے لئے اپنی دولت کو داؤ پر لگانے کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور کرنے لگی۔

رات کے کھانے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے۔ ایسے وقت صفدر چوروں کی طرح مشتری کی خواب گاہ میں آیا۔ چوروں کی طرح اس لئے آیا کہ بھائی بنا ہوا تھا۔ رات کو بہن کے کمرے میں جا کر اندر سے دروازے کو بند کر کے اہم باتیں کرتا اور شاہ صاحب کا مشیر خاص اسے دیکھ لیتا تو بنتی ہوئی بات بگڑ جاتی۔

مشتری نے کہا۔ "تمہارا اس طرح آنا مناسب نہیں ہے۔ دروازہ بند کرو گے تو اور گڑبڑ ہو سکتی ہے۔"

"میں ابھی چلا جاؤں گا مگر مجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تم موجودہ منصوبے میں کہاں تک کامیاب ہو رہی ہو؟"

"میں ساری باتیں بتاؤں گی۔ تم ڈرائنگ روم میں جاؤ۔ وہ دونوں اپنے اپنے کمرے میں سو رہے ہوں گے۔ تم وہاں کے فون سے میرا موبائل فون نمبر ڈائل کرو۔ اس طرح کچھ کام کی باتیں ہو سکیں گی؟"

وہ چلا گیا، مشتری نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد موبائل فون پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے فون کو اٹھایا پھر بٹن دبا کر اسے آن کیا۔ صفدر کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو میں بول رہا ہوں۔ اس کا مشیر خاص کہہ رہا تھا کہ وہ دونوں کل

شام تک لاہور چلے جائیں گے۔ جبکہ وہ ایک یا دو ماہ رہنے کے لئے پڑوس کی کوٹھی خریدنے والے تھے۔ اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم ناکام ہو گئی ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ایک یا دو ماہ یہاں رہ کر دوسرے معاملات میں مصروف رہنا چاہتا تھا لیکن مجھ پر بری طرح مرمٹا ہے۔ جلد سے جلد شادی کرنا چاہتا ہے اس لئے جلدی لاہور جا رہا ہے۔ دو چار دنوں کے بعد ہم بھی وہاں مستقل رہائش کے لئے جائیں گے۔"

"کیا وہ کورٹ میرج کے لئے راضی ہے؟"

"میں نے ابھی تک اس سلسلے میں بات نہیں کی ہے۔ اس سے یہ کہہ چکی ہوں کہ میرا بھائی اس شادی کے لئے راضی نہیں ہوگا۔ اس لئے ہم چوری چھپے شادی کریں گے۔ میں لاہور میں اسے کہوں گی کہ فی الحال شادی کو راز میں رکھنے کے لئے ہم کورٹ میرج کریں گے تاکہ رشتے داروں اور دوستوں کی بھیڑ نہ رہے۔ اس شادی میں میرا بھائی موجود نہیں رہے گا۔"

"میں موجود نہیں رہوں گا تو شادی کی تصویریں کیسے اتاری جائیں گی؟"

"تم ٹھیک کورٹ میرج کے وقت کیمرہ لے کر آؤ گے اور ہم سے کہو گے کہ تم چھپ کر ہماری مصروفیات کے متعلق معلوم کرتے رہتے تھے۔ تمہیں ہماری شادی کا بھی علم ہو گیا تھا۔ اس لئے ہمیں دعائیں دینے کے لئے آ گئے ہو کیونکہ تمہیں اس شادی پر اعتراض نہیں ہے۔"

"جب ہم لاہور جائیں گے تو چاندنی بی ہمارے ساتھ ہوگی۔ وہ مشیر خاص اسے دیکھ لے گا۔"

"ذرا عقل استعمال کرو۔ چاندنی بی ہمارے ساتھ نہیں جائے گی۔ اسی کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر میں رہے گی۔ جب رجسٹرار کے دفتر سے شادی کی تاریخ مقرر کر دی جائے گی تو تم شادی سے ایک دن پہلے یہاں آؤ گے اور اپنی بہن کو لاہور لے جاؤ گے۔ وہاں ہم صرف ایک دن اسے چھپا کر رکھیں گے۔ دوسرے دن سے تو وہ اندھے رئیس کی بیوی مشتری بانو بن کر رہنے لگے گی۔"

"آج تین کروڑ کا چیک دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کیا تمہیں

یقین ہے کہ تم اس سے کروڑوں روپے وصول کر سکو گی؟"

"میں کامیابی کا یقین کرنے کے بعد ہی کسی پر پھسلتی ہوں۔ تم چاندنی بی پر توجہ دو اور اسے اچھی طرح ضروری ٹریننگ دیتے رہو۔ اگر تمہاری بہن ذرا سا بھی کام بگاڑے گی تو میں تمہیں اپنی زندگی سے نکال کر راستے کا بھکاری بنا دوں گی۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ بعض اوقات اس کی باتوں سے صفدر کو اپنی توہین کا احساس ہوتا تھا لیکن یہ سوچ کر وہ خود کو تسلی دیتا تھا کہ بیوی بدمزاج ہے مگر وفادار ہے۔ زیر اثر رہنے والے شوہر کو چھوڑ کر ایک کروڑپتی کے پاس بھی نہیں جاتی' اپنی جگہ اس کی بہن کو بھیجنے والی ہے۔ اگرچہ یہ ایک بھائی کی بے غیرتی تھی۔ تاہم اس معاملے میں بھی یہ سوچ کر خود کو تسلی دے رہا تھا کہ ایک اندھے رئیس کے ساتھ بیوہ بہن خوش حال زندگی گزارے گی۔ ایسے وقت وہ اس پہلو کو نظرانداز کرتا تھا کہ وہ بہن کو ایک اندھے کی منکوحہ نہیں داشتہ بنا رہا ہے۔

☆--------☆--------☆

مشتری بانو اپنی خواب گاہ میں جاگ رہی تھی۔ ملک حیات شاہ نے یہ کہہ کر اس کی نیند اڑا دی تھی کہ وہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے کروڑپتی بن جائے گی اور یہ تو اس نے آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس اندھے رئیس کے ذرائع کتنے زبردست ہیں۔ وہ اپنے اندھے پن کے باعث ایک ایسے گروہ کے لئے بلٹ پروف جیکٹ بنا ہوا ہے جو کراچی سے اسلام آباد تک تمام مالیاتی شعبوں پر چھایا ہوا ہے۔ بینک ہو یا ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن ہو۔ اگر گروہ کی معزز سیاسی' سماجی اور نوکر شاہی شخصیات بہ آسانی ملکی خزانے سے بڑی بڑی رقمیں نکال لیتی ہیں۔

اور اندھے عاشق کی یہ بات بھی قابل قبول تھی کہ بڑی رقم حاصل کرنے کے لئے متعلقہ افراد کو چھوٹی رقمیں رشوت کے طور پر دینی ہوں گی۔ ہر پچیس لاکھ پر ایک کروڑ ملنے والے تھے۔ کسی کاروبار یا غلط دھندے میں بھی شاید ہی اتنا بڑا منافع گھر بیٹھے ملتا ہو۔ اس منافع میں بڑی کشش تھی۔ ساٹھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے کھنچی چلی آنے والی کشش تھی۔

لیکن وہ مشتری تھی۔ کسی مرد پر بھروسا نہیں کرتی تھی خواہ وہ اندھا ہی کیوں نہ

ہو۔ سائنس دانوں کی رپورٹ بھی یہی ہے کہ مشتری میں ایک قدرتی کشش ہے' وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ مشتری کو کھینچنے کے لئے لازمی ہے کہ اس سے بڑا کوئی سیارہ مقابل آئے اور سیارہ مشتری کی کشش کو کم تر بنائے۔

اس نے کئی گھنٹوں تک سوچتے رہنے کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ ابتدا میں اس نابینا سے چھوٹا چھوٹا منافع حاصل کرے گی۔ اپنے ایک لاکھ روپے بھی داؤ پر نہیں لگائے گی۔ عورت کی جوانی ہمیشہ نہیں رہتی۔ ایک دن وہ حسن و شباب سے خالی ہو جاتی ہے لیکن عقل سے کام لے تو بینک بیلنس خالی نہیں ہوتا اور جب تک یہ بڑھتا رہتا ہے عورت بڑھاپے میں جوان اور پُرکشش رہتی ہے۔

ملک حیات شاہ نے دوسری شام روانگی سے پہلے تنہائی میں اس سے کہا۔ "گلبرگ میں ایک پینتالیس لاکھ روپے کی کوٹھی کا میں نے سودا کیا تھا۔ اسے خریدنے کا کوئی خاص ارادہ نہیں تھا لیکن اب تم میری زندگی میں آ رہی ہو۔ میں وہ کوٹھی تمہارے نام سے خریدوں گا۔"

وہ خوشی سے کھل گئی۔ یہ کوئی معمولی سی بات نہیں تھی۔ وہ پینتالیس لاکھ کی کوٹھی اس کے نام سے خریدنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں بہت خوش نصیب ہوں۔ آپ مجھ پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ مجھے پینتالیس لاکھ روپے کی کوٹھی خرید کر دینا چاہتے ہیں۔"

"تم پر اس قدر بھروسا کرتا ہوں کہ شادی سے پہلے خریدوں گا۔ جس دن تم لاہور پہنچو گی اسی دن اسٹیٹ ایجنٹ کوٹھی کے کاغذات تیار رکھے گا۔ تم اس کوٹھی کو پہلے دیکھ کر پسند کرو گی۔ تمہیں پسند آ جائے گی تو میں پوری پے منٹ کر دوں گا۔"

"میں تیسرے یا چوتھے دن لاہور پہنچنے کی کوشش کروں گی اور آنے سے پہلے فون پر اطلاع دوں گی۔"

وہ دیوانہ عاشق اپنے مشیر خاص کے ساتھ لاہور روانہ ہو گیا۔ صفدر نے پوچھا "تنہائی میں وہ اندھا کیا کہہ رہا تھا؟"

"وہ اب کسی شک و شبے کے بغیر مجھ پر مرمٹا ہے۔ جس دن ہم لاہور پہنچیں گے۔ اسی دن وہ مجھے پینتالیس لاکھ روپے کی کوٹھی دکھائے گا۔ میں وہ کوٹھی پسند کروں

گی تو پوری رقم کی ادائیگی کر کے اسے میرے نام کر دے گا۔"

"پھر تو واقعی تم بہت لمبا ہاتھ مار رہی ہو۔ اس حساب سے تم اس سے تقریباً نصف کروڑ حاصل کر لو گی۔"

جب تک خزانہ ہاتھ نہ آئے۔ وہ خواب کے عالم میں رہتا ہے کبھی یہ خوش قسمتی سے حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی حصول کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ مشتری کا ایک اصول تھا کہ وہ اپنا کچھ نقصان کئے بغیر فائدہ حاصل کرتی تھی۔ وہ فائدہ کسی وجہ سے حاصل نہ ہوتا تو اسے دکھ نہیں ہوتا تھا۔

تین دنوں کے بعد وہ لاہور پہنچی تو خواب پورا ہو گیا۔ اسے کوٹھی پسند آئی۔ قانونی طور سے کاغذات مکمل ہوئے۔ ملک حیات شاہ نے پوری رقم کی ادائیگی کی اور اس کوٹھی کی چابیاں مشتری کے حوالے کر دی گئیں۔ وہ چابی دیتے ہوئے بولا۔ "تم اس نئی کوٹھی میں دلہن بنو گی۔ ہم اپنی ازدواجی زندگی کی پہلی رات وہیں گزاریں گے۔"

"میں چاہتی ہوں ہم بھائی صفدر کو بتائے بغیر پہلے چپ چاپ کورٹ میرج کر لیں پھر کچھ دنوں کے بعد شادی کا اعلان کریں گے۔"

"تم جو چاہو گی وہی ہو گا۔ میرا قانونی مشیر حمید اختر بھی کورٹ میرج کے تمام انتظامات کر دے گا۔"

دیوانہ وہی کر رہا تھا' جو وہ چاہتی تھی' کورٹ میرج کے انتظامات ہو گئے۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ منصوبے کے مطابق صفدر ایک دن پہلے کراچی گیا پھر شام کی فلائٹ سے بہن کو لے کر آ گیا۔ وہ اس نئی کوٹھی میں قیام کر رہے تھے۔ صفدر نے اس کے پیچھے ایک سرونٹ کوارٹر کو فوٹو گرافی کے لئے ڈارک روم بنایا تھا۔ دوسرے کوارٹر میں بہن کو چھپا کر رکھا تھا۔ اس نے مشتری سے کہا۔ "ہمارا ہر کام پلاننگ کے مطابق ہو رہا ہے لیکن تمہارے لئے ایک بری خبر ہے۔"

مشتری نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر ناگواری سے کہا۔ "سسپنس پیدا نہ کرو' فوراً بتاؤ وہ بری خبر کیا ہے؟"

"جس بینک میں تمہارا اکاؤنٹ اور لاکر ہے' وہاں پرسوں ڈاکا پڑا تھا۔ ڈاکو

بائیس لاکھ روپے لوٹ کر لے گئے ہیں۔"

وہ بولی۔ "یہ بری خبر میرے لئے کیسے ہوگئی؟ بینک میں ڈاکا پڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں کے تمام اکاؤنٹ ہولڈر کی رقمیں ماری گئی ہیں۔ یہ ڈاکوؤں اور بینک کا معاملہ ہے۔"

"بے شک تمہاری اور تمام اکاؤنٹ ہولڈر کی رقمیں بینک والے ادا کرتے رہیں گے لیکن تم آگے بھی تو سنو۔ ڈاکوؤں نے اس بینک کے تمام لاکرز توڑے ہیں اور ان تمام لاکرز میں جتنے ہیرے جواہرات' سونے کے زیورات اور اہم دستاویزات وغیرہ تھیں' وہ سب سمیٹ کر لے گئے ہیں' تمہارا لاکر بھی خالی پڑا ہے۔"

مشتری زندگی میں پہلی بار چکرا سی گئی۔ یہ سب کچھ سن کر بھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا' اس نے پوچھا۔ "تمہیں ڈاکے کی اطلاع کیسے ملی؟ کیا تم بینک گئے تھے؟"

"کل میں کراچی پہنچا تو تمہاری سہیلی کے شوہر نے فون کیا تھا اور مجھے بینک بلایا تھا۔ میں نے وہاں جا کر یہ تمام معلومات حاصل کی ہیں۔"

مشتری نے فوراً ہی موبائل فون کے ذریعے اپنی سہیلی سے رابطہ کیا پھر پوچھا۔ "کیا واقعی بینک میں ڈاکا پڑا ہے؟ تمہارے میاں کہاں ہیں۔ ان سے بات کراؤ۔"

سہیلی کے بینک منیجر شوہر نے اس سے فون پر بات کی اور اسے ڈاکے کی تفصیلات بتائیں۔ وہ بولی۔ "میرے لاکر میں بہت سے اہم کاغذات تھے۔ ڈاکو ان کاغذات کا کیا کریں گے؟ انہیں پھینک کر گئے ہوں گے؟"

جواب ملا۔ "وہ سب عجلت میں تھے۔ جو ہاتھ آیا' سمیٹ کر لے گئے۔ جو چیزیں ان کے مطلب کی نہیں ہوں گی' انہیں وہ بعد میں ضائع کر دیں گے۔ ویسے بینک کے کسی لاکر میں کچھ نہیں رہا ہے۔"

مشتری جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ فون کو آف کر کے سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے کئی جنات جیسے مردوں کی جانیں اس لاکر میں بند کر رکھی تھیں۔ کتنے ہی منشیات فروشوں' قاتلوں اور مختلف نوعیت کے جرائم کرنے والوں کے تحریری ثبوت اور تصاویر اس لاکر میں چھپا کر رکھی تھیں۔ ان میں صفدر بخاری کی تحریر اور تصاویر بھی تھیں' جن کی وجہ سے وہ اس کا غلام بنا ہوا تھا۔

اس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ صفدر حسب معمول اس کے سامنے والے صوفے پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اب وہ غلام نہیں رہا تھا۔ اسے لاکر کے پنجرے سے نکل کر پرواز کرنے کی آزادی مل گئی تھی۔ اس کے باوجود اس کی سراپا تابعداری کہہ رہی تھی۔ "اتنے مانوس صیاد سے ہوگئے۔ اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے۔"

مشتری نے دل ہی دل میں اس کی تابعداری کا تجزیہ کیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ بڑ حرام ہے۔ اس کی دولت پر عیش کر رہا ہے اور یہ دیکھ رہا ہے کہ بیوی کروڑوں روپے کمانے والی ہے اور یہ ساری دولت بیوی کی موت کے بعد اسے ہی ملے گی۔

اب یہ ممکن تھا کہ وہ کسی موقع پر اسے قتل کرتا اور اس قتل کو اس کی حادثاتی موت بنا دیتا۔ وہ اس سے فوراً ہی پیچھا نہیں چھڑا سکتی تھی۔ کیونکہ ایک شوہر اور تابعدار کی حیثیت سے وہ اس کے بہت سے اہم رازوں سے واقف تھا۔ اگر ملک حیات شاہ کے سامنے یہ بھید کھول دیتا کہ وہ بھائی نہیں شوہر ہے تو تمام بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔ کروڑوں روپے خواب بن جاتے۔ اسلام آباد تک رسائی حاصل کرنے والا' اندھا اس سے پینتالیس لاکھ کی کوٹھی بھی چھین لیتا۔

ویسے ان حالات میں وہ بڑے صبر و تحمل سے کام لیتی تھی اور مناسب وقت کا انتظار کرتی تھی۔ دوسرے دن وہ ملک حیات شاہ اور اس کے قانونی مشیر کے ساتھ کورٹ میرج کے لئے گئی تو صفدر بخاری پلاننگ کے مطابق پہلے سے موجود تھا۔ ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی اسے دیکھ کر پریشان ہوا اور شاہ صاحب کو بتایا کہ دلہن کا بھائی پہلے سے موجود ہے۔ صفدر نے کہا۔ "ملک صاحب! میں نادان نہیں ہوں۔ آپ کے ارادوں کو بہت پہلے سے سمجھتا آ رہا ہوں۔ یہ مانتا ہوں کہ آپ میری بہن کو دل و جان سے چاہتے ہیں اور اسے ہمیشہ خوش رکھیں گے۔ بہرحال جو ہو رہا ہے' وہ اچھا ہی ہو رہا ہے' مجھے اس شادی پر اعتراض نہیں ہے۔"

ملک حیات شاہ نے اس کا شکریہ ادا کیا پھر یہ شادی ہوگئی۔ صفدر نے کورٹ میرج کے تمام اہم مواقع کی تصاویر اتار لیں پھر یہ طے پایا کہ وہ نابینا دولہا رات کو اپنی دلہن کی کوٹھی میں آئے گا۔ مشتری اور صفدر کوٹھی میں آئے پھر چاندنی بی کو اپنے پاس

بٹھا کر ایک ایک بات سمجھائی۔ حتیٰ کہ اس سے دلہن بننے کی ریہرسل بھی کرائی۔ مشتری نے سمجھایا۔ "دیکھو دلہن بن کر خاموش رہنا' وہ سمجھے گا تم شرما رہی ہو۔ میں صبح سے پہلے آؤں گی۔ تم دروازے کو کھلا رکھنا۔ کمرے سے نکل کر سرونٹ کوارٹر میں چلی جانا۔ میں اس اندھے کو سنبھال لوں گی۔"

رات کو ایک تھوڑی سی گڑبڑ ہو گئی۔ ملک حیات شاہ اپنے قانونی مشیر کے علاوہ چند دوستوں اور ان کی بیویوں کو ساتھ لے آیا۔ صفدر سے بولا۔ "میں نے سوچا' جب تم نے شادی کی اجازت دے دی ہے تو اب اس شادی کو راز میں نہ رکھا جائے۔ یہ میرے چند خاص دوست ہیں۔ میں نے انہیں............ دلہن لانے کی اطلاع دی تو یہ سب دلہن کو دیکھنے اور تحائف دینے کے لئے آ گئے ہیں۔"

آدمی جیسے منصوبے بناتا ہے ان پر بالکل ویسے ہی عمل نہیں ہوتا۔ بدلتے ہوئے حالات کے تحت ان منصوبوں پر عمل کرنے کا طریقہ کار بھی کچھ بدل جاتا ہے۔

مشتری حالات سے سمجھوتا کر رہی تھی۔ نابینا شوہر کے دوست اور ان کی بیگمات اسے دیکھنے آئیں' اسے تحائف پیش کئے پھر کچھ دیر اس کے اطراف ہنستے بولتے رہنے کے بعد چلے گئے۔ جب وہ سب رخصت ہو رہے تھے تب ہی صفدر چاند بی بی کو سہاگ کے کمرے میں لے آیا۔ کیونکہ مہمانوں کے جاتے ہی وہ اندھا شوہر وہاں آنے والا تھا۔

وہ دونوں چاند بی بی کو سہاگ کی سیج پر بٹھا کر سرونٹ کوارٹر میں آ گئے۔ مصروفیات کے باعث کورٹ میرج کی اتاری ہوئی تصاویر کو ڈیولپ اور پرنٹ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ صفدر نے مشتری سے کہا۔ "تم یہاں بیٹھو' تصاویر پرنٹ کرنے کا کیمیکل میرے کمرے میں ہے میں ابھی لے کر آتا ہوں۔"

وہ کیمیکل لانے کے لئے سرونٹ کوارٹر سے نکل کر کوٹھی کے اندر گیا پھر آدھے گھنٹے بعد آکر بولا۔ "اس قانونی مشیر کا ہمیں خیال ہی نہ رہا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا کہ میں آؤں گا تو اس کے رخصت ہونے کے بعد کوٹھی کے دروازے کو اندر سے بند کروں گا۔"

"کیا وہ چلا گیا؟"

"ہاں کم بخت بہت باتونی ہے۔ بڑی مشکل سے پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔"

اس نے کیمرے کو ایک طرف رکھا پھر کیمیکل نکال کر اسے پرنٹنگ کے لئے استعمال کرنے لگا۔ تمام تصاویر ڈیولپ اور پرنٹ ہونے لگیں۔ مشتری ان تصاویر کو دیکھتی جا رہی تھی اور ایک تنی ہوئی ڈور میں کلپ کے ذریعے انہیں خشک کرنے کے لئے لٹکا رہی تھی۔

صفدر نے کہا۔ "رات کے دو بج رہے ہیں۔ تم خاموشی سے کوٹھی میں جا کر آرام کرو۔ میں تمام تصاویر کے خشک ہوتے ہی انہیں تمہارے پاس لے آؤں گا۔"

وہ کوارٹر سے نکل کر کوٹھی کے پچھلے دروازے سے اندر آئی پھر ایک بیڈ روم میں پہنچ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ عقل یہ سمجھا رہی تھی کہ جب صفدر کی کمزوریاں اس کے ہاتھوں میں تھیں تب اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ خود اندھے رئیس کی بیوی کہلائے گی لیکن بیوی کی حیثیت سے ازدواجی وظیفہ ادا نہیں کرے گی۔ ایسے وقت چاند بی بی کو استعمال کرے گی اور صفدر اپنی بہن کے سلسلے میں مجبور رہے گا لیکن اب وہ کسی وقت بھی باغی ہو سکتا تھا۔ اپنی اور بہن کی بہتری کے لئے اسے نقصان پہنچا سکتا تھا۔

اب یہ سمجھ میں آ رہا تھا کہ کورٹ میرج کی تمام تصویریں اپنے قبضے میں لے کر پہلے صفدر کو ٹھکانے لگائے پھر اس کی بہن کو بھی ختم کرے اور ملک حیات شاہ کی باقاعدہ بیوی بن کر رہے۔ اس کے بعد کوئی رکاوٹ اس راہ میں نہیں رہے گی' جس راہ پر کروڑوں روپے بچھے ہوئے ہیں۔

اس نے کرسی سے اٹھ کر اپنی الماری کھولی۔ وہ اس کے ایک سیف میں اپنا کچھ ضروری خفیہ سامان رکھتی تھی۔ وہاں زہر کی ایک چھوٹی سی شیشی اور چار ڈسپوزل سرنج رکھے ہوئے تھے۔ وہ ایک سرنج اور شیشی لے کر اس کمرے میں گئی' جہاں صفدر کا سامان رہتا تھا۔ وہاں بستر پر ایک اٹیچی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا۔ اندر کپڑے' شیونگ کا سامان' ٹوتھ پیسٹ اور شیمپو کی ایک بوتل وغیرہ اس طرح رکھے ہوئے تھے' جیسے وہ اٹیچی لے کر سفر پر جانے والا ہو۔

اس نے زہر کی شیشی کھولی۔ اس کے تھوڑے سے رقیق مادے کو سرنج میں لیا پھر ٹوتھ پیسٹ کا پیچ دار ڈھکن کھول کر زہر کو اس کے اندر انجکٹ کر دیا۔ اس کے بعد

پہلے کی طرح ڈھکن بند کر کے پیسٹ کو اس کے ڈبے میں رکھ کر اٹیچی میں وہ جہاں تھا وہیں اسے رکھ دیا۔ اٹیچی بند کر دی پھر وہاں سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

ڈارک روم میں تصویروں کے خشک ہونے میں کافی وقت لگا۔ صفدر تین بجے کے بعد آیا پھر اسے دیکھ کر بولا۔ "میں جانتا تھا کہ تم ان تصویروں کے لئے جاگ رہی ہوگی۔ یہ تمہاری عادت ہے، جتنی اہم چیزیں ہوتی ہیں، انہیں تم اپنی تحویل میں رکھتی ہو۔"

"کیا میرے ایسا کرنے سے کبھی تمہیں نقصان پہنچا ہے؟"

"کیا یہ کم نقصان ہے کہ میں تمہارا غلام بن کر رہ گیا تھا۔"

اس نے کہا "تھا" کہا۔ یعنی اب وہ غلام نہیں رہا تھا۔ بغاوت کا اعلان کر چکا تھا۔

وہ بولی۔ "تم خود کو غلام سمجھتے رہے۔ جبکہ یہ بھی سمجھتے ہو کہ میں تمہاری وفادار ہوں اور صرف تمہاری بیوی بن کر رہنے کے لئے اس اندھے کو دھوکا دے رہی ہوں۔"

"واہ کیا خوب وفادار بیوی ہو کہ میری بہن کو اس اندھے کی داشتہ بنا دیا۔ ذرا یہ تصویریں دیکھو۔"

اس نے ایک لفافہ اس کے سامنے سینٹر ٹیبل پر پھینکا۔ مشتری نے لفافے سے چند تصویریں نکال کر دیکھیں پھر گم صم سی رہ گئی۔ ان تصاویر میں چاندنی بی پھولوں کی سیج پر دلہن بنی بیٹھی تھی۔ اس کے روبرو ملک حیات شاہ بیٹھا اس کا گھونگھٹ سر تک اٹھا چکا تھا۔ دوسری تصویر میں وہ نابینا جسے بہت دھندلا سا نظر آتا تھا۔ ایک دوربین آنکھوں سے لگائے چاندنی بی کا چہرہ دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ تیسری تصویر میں ایک بریف کیس کھول کر اسے پیش کر رہا تھا۔ بریف کیس کا آدھا حصہ بڑے نوٹوں کی گڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایسی اور کچھ تصویریں تھیں، جن سے ثابت ہوتا تھا کہ ملک حیات شاہ کی دلہن چاندنی بی ہے۔

مشتری کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھی۔ صفدر بخاری کہہ رہا تھا۔ "میں نے اپنی بہن کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ وہ کمرے کی ایک کھڑکی کھلی رکھے تاکہ میں اس کی اور نابینا دولہے کی تصاویر اتار کر یہ ثبوت رکھوں کہ اس نابینا رئیس کی دلہن میری بہن ہے۔ تو تم نے تو مجھے بے غیرت بنا ہی دیا تھا۔ بہن کے ساتھ اس اندھے کی

تصاویر اتارنے کی دوسری بے غیرتی مجھے کرنی پڑی۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "جب مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکوؤں نے مجھ پر مہربانی کی ہے اور تمہارے لاکر کا صفایا کر دیا ہے، تب ہی سے میں نے چاندنی بی کو نیا سبق پڑھانا شروع کر دیا تھا۔"

مشتری نے کہا۔ "میں کسی حد تک بازی ہار رہی ہوں مگر تم بھی جیت نہیں پاؤ گے۔ ہمارے آپس کے جھگڑے سے حقائق سامنے آئیں گے تو تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے بیوی کو بہن بنا کر ایک اندھے کو دھوکا کیوں دیا؟"

"بے شک تم تو گرفت میں آؤ گی ہی لیکن کئی پہلوؤں سے میرا اور چاندنی بی کا بھی محاسبہ ہوگا۔ ہم سب پھنسیں گے۔ ہمیں سزائیں ملیں گی اور ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔"

"ہوں، یہ عقل کی بات کہہ رہے ہو۔ اب بولو کیا چاہتے ہیں۔"

"تمہارے پاس جتنا مال ہے اور جتنا مال آئندہ حاصل ہونے والا ہے ان سب کے تین حصے ہوا کریں گے۔ اس پینتالیس لاکھ کی کوٹھی کے بھی تین حصے دار ہوں گے دو حصے میرے اور میری بہن کے ہوں گے اور تیسرا حصہ تمہارا ہوا کرے گا۔"

"معقول فیصلہ کر رہے ہو مجھے منظور ہے"

"منظور ہے تو پہلے مجھے اس بینک بیلنس میں سے حصہ دو جو کراچی میں ہے۔ میرے اندازے کے مطابق وہاں تمہارے پاس ستر یا اسی لاکھ روپے ہیں مجھے اور چاندنی بی کو کم از کم چالیس لاکھ دے دو۔ میں کل صبح کی فلائٹ سے جانے کی پہلے ہی تیاری کر چکا ہوں۔ تمہارا چیک لے جاؤں گا۔ وہاں کیش کراؤں گا۔ اپنا اکاؤنٹ کھول کر اس میں چالیس لاکھ جمع کراؤں گا پھر پرسوں تک واپس آ جاؤں گا۔"

"تم آزاد ہوتے ہی بہت تیزی سے دوڑ رہے ہو۔ چالیس لاکھ بہت ہوتے ہیں، کچھ کم کرو۔"

"اگر تم اپنا صحیح بینک بیلنس بتا دو تو میں اسی کے مطابق حصہ لوں گا ورنہ بحث نہ کرو۔ فوراً چیک لکھ دو۔ چار بج چکے ہیں۔ میری فلائٹ چھ بجے کی ہے میں ابھی جاؤں گا اور یہ اچھی طرح یاد رکھنا کہ میری عدم موجودگی میں چاندنی بی کو کوئی نقصان نہ

پہنچانا ورنہ ہم تو ڈوبیں گے صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں کرسی سے اٹھ کر الماری کے پاس آئی۔ وہاں سے ایک چیک بک نکالی پھر چالیس لاکھ کا چیک لکھ کر دستخط کر دیئے۔ وہ چیک لے کر بولا۔ "ہو سکتا ہے مینجر کو یہ چیک کیش کرنے پر کوئی اعتراض ہو لہٰذا تم دن کے ٹھیک گیارہ بجے بینک میں اسے فون پر کہہ دینا کہ وہ اسی بینک میں میرے نام کا اکاؤنٹ کھولے اور یہ چالیس لاکھ اس نئے اکاؤنٹ میں منتقل کرا دے۔"

"کیا تمہاری عدم موجودگی میں چاندنی بی میری ہدایات پر عمل کرے گی؟"

"ضرور کرے گی۔ ہم تینوں متحد رہیں گے تو عیش کرتے رہیں گے۔ وہ پانچ بجے تک دروازہ کھول کر باہر آئے گی اور سرونٹ کوارٹر میں چلی جائے گی۔ پلاننگ کے مطابق تم اس اندھے کے کمرے میں جاؤ گی۔"

وہ چیک لے کر مسکراتا ہوا چلا گیا۔ اس نے دل میں کہا۔ "ٹوتھ پیسٹ کے اشتہارات میں ایسے ہی سفید چمکیلے دانت مسکراتے ہیں' جاؤ تمہاری زندگی کا آخری پیسٹ ہوگا۔"

وہ ٹھیک پانچ بجے دولہا دلہن کے دروازے پر آئی۔ دلہن دروازہ کھول کر باہر آ رہی تھی۔ مشتری نے سرگوشی میں پوچھا۔ "کیا وہ سو رہا ہے؟"

چاندنی بی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ مشتری نے پوچھا۔ "اسے کسی طرح کا شبہ تو نہیں ہوا؟"

چاندنی بی نے نہیں کے انداز میں سر ہلایا' وہ بولی۔ "ٹھیک ہے تم کوارٹر میں جاؤ۔ میں کسی وقت آؤں گی۔ تم سے کچھ ضروری باتیں کروں گی۔"

وہ تابعداری سے سر جھکا کر کوارٹر میں آ گئی۔ وہ بے چاری بچپن سے بے چاری تھی۔ شادی ہوتے ہی ماں باپ مر گئے۔ شوہر اسے کند ذہن اور پھوہڑ کہتا تھا۔ بھائی ہیرا پھیری کی زندگی گزارتا تھا۔ کبھی رقم کی ضرورت ہوتی تو بہن کی خیریت دریافت کرنے کے بہانے آتا تھا اور ہزار دو ہزار مانگ کر لے جاتا تھا۔

اس دنیا میں وہ لوگ بے چارے ہوتے ہیں' جو چارہ جوئی کے طریقے نہیں جانتے۔ چاندنی بی کی عقل کام نہیں کرتی تھی کہ کس طرح دوسروں کی نظروں میں اپنا

ایک مقام بنائے۔ کس طرح شوہر کا دل جیتے اور بھائی کو کس طرح سمجھائے کہ وہ شوہر سے چھپا کر اسے رقمیں دیا کرتی ہے۔ اسے بہن کو کچھ دینا چاہیے' مانگنا نہیں چاہیے۔ وہ اس قدر احساس کمتری کا شکار تھی کہ شوہر اور بھائی سے ڈرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب شوہر کا انتقال ہوا تو بھائی اسے اپنے ساتھ لے گیا اور شوہر کے چھوڑے ہوئے ایک مکان اور پچاس ہزار نقد روپیہ پر قبضہ جما لیا اور مشتری نے اسے ملازمہ بنا کر رکھ لیا۔

اس کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا' وہ اسے مقدر کا لکھا سمجھ کر برداشت کر لیتی تھی' پھر ایک دن بھائی اور بھابی نے اسے حکم دیا کہ وہ نکاح کے بغیر ایک اندھے کی بیوی بن کر رہے گی اور اس کا نام اب چاندنی بی نہیں مشتری بانو ہوگا۔ جب اسے بیوی بن کر کوٹھی میں جانے کے لئے کہا جائے گا تو وہ اس اندھے کے پاس جائے گی اور جب واپسی کا حکم دیا جائے گا تو وہ سرونٹ کوارٹر میں چلی جایا کرے گی۔

ایسے احکامات سن کر وہ دنگ رہ گئی تھی۔ ایسی ڈرپوک تھی کہ بھائی اور بھابی کے سامنے انکار کی جرأت نہیں کر سکتی تھی مگر تنہائی میں سوچ کر روتی تھی کہ بھائی اتنا بے غیرت کیوں ہے! ایسا تو دلال کرتے ہیں۔ بھائی تو ایسا سوچتے بھی نہیں' ایسا کوئی وقت آئے تو بہن کے لئے جان پر کھیل جاتے ہیں۔

ایک شریف عورت اپنا مکان' اپنے زیورات دیتی ہے' اپنے شوہر کے چھوڑے ہوئے ہزاروں لاکھوں روپے بھی ظالموں کے حوالے کر دیتی ہے لیکن جب عزت دینے کی بات آتی ہے تو مقدر کی تحریر کھٹکنے لگتی ہے۔ وہ نہیں مانتی کہ آبرو مقدر سے لٹ جایا کرتی ہے۔ یہاں اسے عقل آتی ہے کہ ایسا چند انسانوں کی کمینگی سے ہوتا ہے۔ اسے مقدر کے آگے سر جھکانا چاہیے' بدمعاش کے آگے نہیں۔

وہ بزدل اور ڈرپوک عورت جو بھائی اور بھاوج کی آواز سن کر سہم جایا کرتی تھی وہ برائی سے پر آ کر کشمکش میں مبتلا ہو گئی۔ اس نے بھائی کے حکم کے مطابق ایک کھڑکی کھول دی تھی اور یہ دیکھ رہی تھی کہ وہ پانچ چھ تصویریں اتار کر چلا گیا ہے اور اندھے کو اس کی خبر نہیں ہوئی ہے۔ عجیب بے غیرتی تھی۔ شریف اور ایمان والے کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان کی دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بھائی اپنی بہن کو

پرائے مرد کے کمرے میں پہنچا کر اپنی بیوی کو وہاں سے لے جاتا ہے اور بعد میں اس پرائے مرد کے ساتھ اپنی بہن کی تصویریں بھی اتارتا ہے۔

جب وہ تصویریں اتار کر چلا گیا تو چاند بی بی نے بستر سے اتر کر کھڑکی کے پاس آکر اسے بند کر دیا۔ ملک حیات نے ابھی صرف گھونگھٹ اٹھایا تھا۔ اسے ایک بریف کیس میں ایک لاکھ روپے پیش کئے تھے اور کچھ جذباتی مکالمے ادا کر رہا تھا۔ تب ہی محسوس کیا کہ دلہن اٹھ کر چلی گئی ہے۔ اس نے پوچھا "مشتری! تم کہاں ہو؟"

وہ کھڑکی کی طرف سے واپس آکر بولی "میں یہاں ہوں۔"

اس نے آواز کی سمت ہاتھ بڑھا کر پوچھا "تم مجھ سے دور کیوں ہو گئی ہو؟"

"مجھے دور ہی رہنا چاہئے۔ آپ آنکھوں سے معذور ہیں۔ دھوکا کھا رہے ہیں۔ اگر میں آپ سے نیکی کروں گی' آپ کو فریب سے بچاؤں گی تو خدا میری آبرو سلامت رکھے گا۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔"

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ کیا میں آپ کی دلہن مشتری بانو ہوں؟"

وہ خلا میں تکتے ہوئے مسکرا کر بولا "شادی کی پہلی رات خوب مذاق کر رہی ہو۔ آج کی رات میں دلہن مشتری بانو میرے پاس نہیں ہوگی تو کیا دوسری کوئی آ جائے گی؟"

"دوسری کیوں نہیں آسکتی؟ کیا جگہ نہیں بدلتی؟ انسان نہیں بدلتے؟ کبھی ایسی خبر سننے میں بھی آئی کہ کسی ہسپتال میں نومولود بچے بدل دیئے گئے۔ آپ نے بھی شاید سنا ہوگا۔

کیا عورت شوہر نہیں بدلتی؟ مرد اپنا مذہب اور خدا نہیں بدلتا؟

بعض غیرت مند ایسے ہوتے ہیں' جو ماں بدل دیتے ہیں مگر باپ نہیں بدلتے کیونکہ باپ بدلنے سے ماں کی گالی پڑتی ہے۔

لیکن بعض لوگ باپ کو گدھا سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور گدھا ہوتا ہے' اسے باپ بنا لیتے ہیں۔

ہماری دنیا کی ہر شے میں تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے۔ فطری تبدیلیاں قدرت

کی طرف سے ہوتی ہیں اور شیطانی تبدیلیاں انسان کی طرف سے ہوا کرتی ہیں۔ کیا کوئی بے غیرت اپنی حسین و جمیل بیوی کو رشوت کے طور پر پیش کر کے پلازہ تعمیر کرانے کے لئے شہر کے قلب میں زمین الاٹ نہیں کراتا؟

کیا زمینوں کے جعلی کاغذات تیار کرا کے بینک سے کروڑوں روپے حاصل نہیں کئے جاتے۔ کیا ایک بے غیرت بڑی سے بڑی رقم حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو بہن نہیں کہہ سکتا؟ اور بہن کو ایک نابینا کے بستر پر نہیں بھیج سکتا؟"

وہ بولتے بولتے رونے لگی اور روتے روتے اپنی بدبخت زندگی کی روداد ابتدا سے اب تک بتانے لگی۔ وہ بے نور آنکھوں سے خلا میں تک رہا تھا اور کانوں سے سن رہا تھا پھر اس کی روداد ختم ہو گئی مگر آنسو ختم نہیں ہوئے۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "آنسو پونچھ لو۔ میں نہیں دیکھ سکتا کہ تمہارا چہرہ چاند ہے یا نہیں مگر دل چاند کی طرح اجلا ہے۔ آج تمہاری داستان حیات سن کر عورت کی عظمت کا احساس ہوا۔ عورت ڈرتی ہے اور بزدلوں کی طرح مرتی ہے لیکن جب آبرو لٹنے کی بات آئے تو اس کی سلامتی کے لئے خوف و دہشت کے پل صراط سے بھی گزر جاتی ہے۔ آج تم نڈر اور بے باک ہو گئی ہو۔ ابھی میں نے ایک لاکھ روپے پیش کئے ہیں۔ تم بڑی دلیری سے یہ ایک لاکھ لے کر فرار ہو سکتی ہو یا میرے بستر پر آکر مجھے اپنا سرپرست اور ڈھال بنا کر بھائی اور بھاوج سے انتقام لے سکتی ہو لیکن تم انتقام نہیں چاہتیں' تم دولت نہیں چاہتیں' صرف آبرو کی سلامتی چاہتی ہو۔ میں تمہیں سلام کرتا ہوں۔"

اس نے ہاتھوں سے ٹٹول کر بریف کیس کے اندر سے ایک موبائل فون نکالا۔ وہ نابینا ہونے کے باوجود اسے آپریٹ کرتا آیا تھا۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے کہا۔ "مسٹر بھٹی! صبح ٹھیک پانچ بجے اس کوٹھی کی پچھلی گلی میں میری کار لے آؤ۔ ایک عورت کار کی پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھے گی۔ اسے عزت و احترام کے ساتھ میری کوٹھی میں پہنچا دو اور گورنس کو تاکید کرو کہ اس عورت کے کھانے پینے اور آرام کرنے کا پورا خیال رکھے۔"

اس نے دوسری طرف سے جواب سن کر فون بند کر دیا پھر کہا "چاند بی بی! تم بھائی اور بھاوج کی پلاننگ کے مطابق اس کمرے سے صبح پانچ بجے نکلو اور کوارٹر میں

جاؤ۔ محتاط رہو کہ تمہارا بھائی تمہیں نہ دیکھے۔ تم ایک چادر میں چھپ کر پچھلی گلی میں جاؤ پھر وہاں جو کار کھڑی ہو اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ وہ کار تمہیں ایک نئی اور آبرو مندانہ زندگی کی طرف لے جائے گی۔"

اس نے آنسو بھری آنکھوں سے مشکور و ممنون ہو کر اسے دیکھا۔ وہ اس نابینا کو اچھی طرح نہیں جانتی تھی لیکن جرأت مندی سے ایک نیا قدم اٹھانے کے بعد کسی پر تو بھروسا کرنا ہی تھا۔ جو اندھے ہوتے ہیں وہ آنکھ والوں کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہیں۔ شاید وہ پہلی آنکھ والی تھی جو ایک اندھے کا سہارا لے کر انجانی منزل کی سمت جانے والی تھی۔

وہ صبح پانچ بجے کمرے سے باہر گئی۔ مشتری بانو اندر آگئی۔

وہ بستر پر آنکھیں بند کئے یوں پڑا تھا' جیسے گہری نیند میں ہو۔ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی بستر کے پاس آئی۔ اس کی نیند بتا رہی تھی کہ وہ تھک ہار کر سو رہا ہے لیکن اسے کوئی بات کھٹکنے لگی۔ اس عورت کے دماغ میں مکاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آنکھوں نے پھولوں بھری سیج کو دیکھا۔ دماغ نے سوال کیا۔ "سیج کے پھول اور پتیاں تازہ کیوں ہیں؟ یہ سیج کسی جگہ سے مسلی ہوئی نہیں ہے' کیا چاندنی بی اس بستر پر نہیں رہی تھی؟"

ملک حیات شاہ کان لگائے آہٹ سننے کی کوشش کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ کیا مشتری بانو کمرے میں آگئی ہے؟ اگر وہ آنکھ کھولے گا' تب بھی وہ نظر نہیں آئے گی۔ لہٰذا نیند کی حالت میں رہنا چاہئے۔ پانچ منٹ تک ہلکی سی آہٹ بھی سنائی نہیں دی۔ تجسس پیدا ہوا کہ وہ آئی بھی ہے یا نہیں؟ اور آچکی ہے تو بالکل خاموش کیوں ہے؟ اور کمرے میں کیا کر رہی ہے۔ وہ مجرمانہ ذہن رکھنے والی عورت پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے جیسے نیند میں کروٹ لی اور ایک ہاتھ دوسرے تکئے پر رکھا پھر اس ہاتھ سے تکئے کو اور بستر کے خالی حصے کو ٹٹولتے ہوئے بولا۔ "تم' تم کہاں ہو؟"

اسے بولنا پڑا۔ "میں یہاں ہوں۔ ذرا باتھ روم میں گئی تھی۔"

"آؤ' میرے پہلو میں لیٹ جاؤ۔"

وہ بستر کے سرے پر آکر بولی۔ "میں سوچ رہی ہوں۔ ساری رات گزر گئی۔ صبح ہو رہی ہے لیکن یہ پھول کی پتیاں بدستور تر و تازہ ہیں۔ کیا میرا کوئی وزن نہیں

ہے۔ اتنی ہلکی پھلکی سی ہوں کہ ان پتیوں کا کچھ نہیں بگڑا؟"

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مشتری کو ایسی کوئی بات کھٹک سکتی ہے اس نے فوراً ہی بات بنائی اور اس سے پوچھا۔ "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ جب میں نے گھونگھٹ اٹھایا اور ایک لاکھ روپے منہ دکھائی کے طور پر دیئے تو تم سیج پر سے اٹھ کر چلی گئیں۔ میں تمہاری منتیں اور خوشامدیں کرنے لگا کہ سہاگ کی سیج پر آؤ۔ مجھے اپنا ہاتھ پکڑنے دو مگر جانتی ہو تم نے کیا کہا تھا؟"

وہ مشکل میں پڑ گئی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ چاندنی بی نے کیا کہا ہو گا۔ ملک حیات شاہ نے خود ہی کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تم کئی بار مختلف نجومیوں کو ہاتھ دکھا چکی ہو۔ ہر نجومی نے یہی کہا ہے کہ سہاگ کی پہلی رات کو شوہر سے دور رہو۔ اسے ہاتھ بھی پکڑنے دو گی تو اس کی عمر مختصر ہو جائے گی۔ وہ مر جائے گا۔ تم بیوہ ہو جاؤ گی۔"

مشتری نے جلدی سے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں' ہاں میں نے ایسا کہا تھا۔"

وہ بولا۔ "سہاگ رات عورت کے لئے بہت اہم ہوتی ہے لیکن تم نے میری سلامتی کے لئے' میری عمر بڑھانے کے لئے اپنے جذبات کو کچل دیا ہے۔ تم پہلی ملاقات سے اپنی بے انتہا محبت کے ثبوت بار بار پیش کرتی آرہی ہو۔"

وہ باتوں کے دوران پلنگ پر' پھر پلنگ کے نیچے جھانک کر دیکھ رہی تھی۔ کمرے میں ہر طرف نظریں دوڑا رہی تھی۔ صفدر نے جو تصویریں اتاری تھیں' ان میں سے ایک تصویر مشتری کو بتا چکی تھی کہ اس اندھے دولہے نے چاندنی بی کو ایک بریف کیس پیش کیا ہے' جس میں بڑے نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔ اب وہ بریف کیس نظر نہیں آرہا تھا۔

وہ ایک الماری کے پاس آئی۔ اسے کھول کر دیکھا۔ اندر ایک کھلا ہوا بریف کیس رکھا ہوا تھا مگر وہ خالی تھا۔ اس میں ایک بھی بڑا یا چھوٹا نوٹ نہیں تھا۔ اس نے پلٹ کر پوچھا۔ "بریف کیس میں کافی رقم تھی' مگر یہ خالی ہے؟"

وہ بولا۔ "تم کافی رقم کہہ رہی ہو۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں' پورے ایک لاکھ روپے منہ دکھائی کے طور پر تمہیں دیئے مگر دوربین سے دیکھنے کے باوجود تمہاری

صورت واضح طور سے نظر نہیں آئی۔"

مشتری کے تیور بدل گئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ چاندنی بی اپنے بھائی کی طرح چالاکی دکھا رہی ہے۔ وہ چالیس لاکھ کا چیک بے موت مرنے کے لئے لے گیا ہے۔ اس کی بہن یہاں خالی بریف کیس چھوڑ کر اپنے لباس میں ایک لاکھ روپے چھپا کر لے گئی ہے۔ میں اس کے بھائی کی طرح اسے بھی رقم کا ایک تنکا حاصل کرنے نہیں دوں گی۔

اس نے پوچھا۔ "تم خاموش کیوں ہو؟ کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ بولی۔ "مجھے یہاں گھٹن کا احساس ہو رہا ہے۔ میں نے کمرے کا دروازہ کھولا تھا پھر باتھ روم میں گئی تھی۔ واپس آ کر دیکھ رہی ہوں کہ بریف کیس خالی ہے۔ کوئی یہاں سے ایک لاکھ روپے لے گیا ہے۔"

"تعجب ہے، کون لے جا سکتا ہے؟ جیسا کہ تم نے بتایا ہے اتنی بڑی کوٹھی میں صرف تمہارا ایک صفدر بھائی ہے۔"

"وہ تو ایک ضروری کام سے کراچی چلے گئے ہیں۔"

"تم میرے پاس ہو پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ بھائی کراچی گیا ہے؟"

"وہ، وہ انہوں نے کل شام ہی کو مجھے بتا دیا تھا کہ وہ اب بہن کے گھر میں نہیں رہیں گے، ہمیشہ کے لئے کراچی جا کر رہیں گے۔"

"واقعی تمہارا بھائی بڑا غیرت مند ہے۔ بہن کی سسرال کا پانی بھی پینے نہیں آئے گا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ رات کو یہاں سے جاتے وقت کوٹھی کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا ہو اور یہاں کسی چور کو آنے کا موقع مل گیا ہو؟"

"میں ابھی جا کر دروازے کو چیک کر کے آتی ہوں۔"

وہ کمرے سے چلی گئی۔ ملک حیات شاہ تمام رات جاگتا رہا تھا لیکن ایک لالچی اور فریبی عورت کے گھر میں سونا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے فون کے ذریعے ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی سے کہا۔ "میں پھر تمہیں زحمت دے رہا ہوں۔ ابھی گاڑی لے کر آؤ اور مشتری بانو کے سامنے کسی اہم معاملے سے نمٹنے کا حوالہ دے کر مجھے یہاں سے لے جاؤ۔"

مشتری کوٹھی کے پچھلے دروازے سے نکل کر سرونٹ کوارٹر میں آئی۔ اس کوارٹر کا دروازہ کھلا تھا۔ جہاں چاندنی بی کو چھپا کر رکھا جاتا تھا۔ وہ چاندنی بی کو آواز دیتی ہوئی اندر آئی۔ سرونٹ کوارٹر خالی تھا۔ وہاں چھپا کر رکھی جانے والی محکوم عورت غائب تھی۔ اس نے کوارٹر کے آس پاس اور کوٹھی کے پورے احاطے میں دیکھا۔ وہ کہیں دکھائی نہیں دی۔ صاف سمجھ میں آ گیا کہ وہ ایک لاکھ روپے لے کر فرار ہو گئی ہے۔

وہ فکر میں مبتلا ہو گئی کہ چاندنی بی ایک بزدل اور بے وقوف عورت ہے اگر پولیس والوں کے ہتھے چڑھ گئی تو ان کی ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرا کر بھائی اور بھاوج کا کچا چٹھا بیان کرے گی۔ مصائب اسی طرح گھر کا راستہ دیکھتے ہیں۔ صفدر ایک مصیبت بننا چاہتا تھا، اس نے ٹوتھ پیسٹ کے ذریعے اس مصیبت کو جڑ سے اکھاڑ دینے کا انتظام کر دیا تھا۔ چاندنی بی جیسی مصیبت کو بھی دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکتی مگر اس سے پہلے ہی وہ ایک بڑی رقم لے کر بھاگ گئی تھی۔

وہ شکست خوردہ انداز میں کوٹھی کے اندر آئی۔ ملک حیات شاہ دلہن کی طرح سجے ہوئے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ آہٹ سن کر بولا۔ "کیا تم ہو؟"

"ہاں۔ وہ کوٹھی کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کوئی اندر آیا ہو گا اور وہ ایک لاکھ لے گیا ہو گا۔"

"تمہاری آواز میں تھکن اور شکست خوردگی ہے۔ کیوں ایک لاکھ کا غم کرتی ہو مجھ جیسے کروڑ پتی کی بیوی ہو۔ میں ایسے کئی لاکھ تم پر نچھاور کر سکتا ہوں۔ جو ہوا اسے بھول کر سو جاؤ۔"

اسی وقت کال بیل کی آواز سنائی دی، وہ بولا۔ "یہ اتنی صبح کون آیا ہے؟"

"میں دیکھ کر آتی ہوں۔" مشتری تیز قدموں سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل کر کوٹھی کے سامنے والے دروازے کی طرف جانے لگی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ چاندنی بی کہیں جا کر ایک لاکھ روپے چھپا کر واپس آئی ہے۔

اس نے دروازہ کھولا تو وہ نہیں تھی۔ ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سلام کرنے کے بعد کہا۔ "اسلام آباد سے جناب شاہ صاحب کو کال کیا گیا ہے۔

بہت اہم معاملہ ہے۔ انہیں ابھی جانا ہو گا۔"

مشتری بانو نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ چاہتی تھی، کسی طرح وہ نابینا دو چار گھنٹے کے لئے ٹل جائے تاکہ وہ بدلتے ہوئے مخالف حالات پر قابو پا سکے۔ اس کے اسلام آباد جانے کا مطلب یہ تھا کہ اس سے کم از کم چوبیس گھنٹوں کے لئے نجات مل جائے گی' پھر وہ چاندنی بی کو کہیں سے ڈھونڈ نکالنے کی تدبیر کر سکے گی۔

ملک حیات شاہ اپنے قانونی مشیر کے ساتھ کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔ مشتری نے کوٹھی کے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر ڈرائنگ روم میں آکر گھڑی دیکھی۔ صبح کے سات بجنے والے تھے۔ صفدر ساڑھے سات بجے تک کراچی پہنچنے والا تھا۔ وہ فون کے ذریعے اس سے پوچھنا چاہتی تھی' کہ اس کی بہن اس کے کسی منصوبے کے مطابق ایک لاکھ روپے لے کر گئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اسے حقیقت بتائی جائے تاکہ اطمینان ہو کہ چاندنی بی کسی پولیس والے کی بدمعاشی کے ہتھے نہیں چڑھے گی۔

اس نے آٹھ بجے فون کیا تو فون کی گھنٹی بجتی رہی۔ کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ ساڑھے آٹھ بجے بھی فون کرنے پر ناکامی ہوئی۔ پونے نو بجے موبائل فون پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے بٹن آن کیا تو صفدر کی آواز سنائی دی' وہ بولی۔ "تم کہاں تھے؟ میں کئی بار فون کر چکی ہوں۔ کیا تم اپنی بہن کو ساتھ لے گئے ہو؟"

اس نے پوچھا۔ "اس سوال کا مطلب کیا ہوا؟ کیا چاندنی بی کوٹھی میں یا کوارٹر میں نہیں ہے؟"

"نہیں ہے' اس نابینا نے اسے ایک لاکھ روپے منہ دکھائی کے طور پر دیئے تھے۔ وہ ایک لاکھ روپے لے کر کہیں چلی گئی ہے۔"

"مجھ سے کوئی چال نہ چلو مشتری! ورنہ تمہارے حق میں برا ہو گا۔ وہ بے وقوف اور بزدل ہے۔ کبھی ایک لاکھ روپے لے کر بھاگنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ اگر تم نے اسے راستے سے ہٹایا ہو گا تو..........."

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "تم بکواس کئے جا رہے ہو۔ عقل سے نہیں سوچتے کہ وہ آئندہ بھی ہمارے کتنے کام آنے والی تھی۔ میں کوئی کچا کھیل نہیں کھیلتی۔ میں نے تم سے سمجھوتہ کیا ہے اس لئے چالیس لاکھ کا چیک دیا ہے۔ میری بات کا یقین کرو۔ وہ

یہاں سے بھاگ گئی ہے اور اب ہم دونوں کے لئے مصیبت بننے والی ہے۔"

"میں فی الحال تم سے بحث یا جھگڑا نہیں کروں گا کیونکہ چالیس لاکھ کا چیک کیش کرانا ہے اور اس کے لئے ابھی تم بینک مینجر کو فون کرو گی۔"

"بینک جانے سے پہلے منہ ہاتھ دھو کر حلیہ درست کرو۔ کل رات سے جاگ رہے ہو۔ جس دن برش نہیں کرتے ہو' تمہارے منہ سے بو آتی ہے۔"

"میں شیو کر چکا ہوں اور برش کرنے جا رہا ہوں۔ اتنی عقل مجھ میں بھی ہے کہ لاکھوں روپے حاصل کرنے کے لئے اسمارٹ بن کر جانا چاہئے۔"

"تم فون بند نہ کرنا۔ مسلسل رابطہ رہنے دو۔ وہ نابینا کسی ضروری کام سے اسلام آباد چلا گیا ہے۔ میں یہاں تنہا آزادی سے گفتگو کر رہی ہوں۔"

اس بار صفدر کی آواز ایسی آئی جیسے منہ میں کچھ رکھ کر بول رہا ہو۔ مشتری نے پوچھا۔ "کیا برش کر رہے ہو؟"

"ہاں۔ آں۔ اوں.......... آہ' آہ.........." نلکے سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ پھر ایک بار کلی کرنے کی آواز سنائی دی۔ "بچاؤ' مم' مجھے کچھ.......... ہاہا.......... ہاہا۔" وہ ہانپ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "مشتری مجھے بچاؤ.........."

وہ بولی۔ "بچنا چاہتے ہو تو دوڑتے ہوئے کوٹھی کے باہر آ جاؤ۔ کسی ڈاکٹر کو بلاؤ گے تو وہ دیر سے پہنچے گا۔ کسی سے لفٹ لے کر قریبی ہسپتال میں جاؤ۔"

گرنے پڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کوٹھی کے باہر جا رہا ہے اور لڑکھڑا رہا ہے۔ مشتری نے کہا۔ "گرتے رہو اور دوڑتے رہو۔ تمہاری سانس رک رک کر آ رہی ہو گی۔ ایسے وقت بتاؤ۔ تمہیں چالیس لاکھ روپے زندہ رکھیں گے یا چالیس لاکھ سانسیں زندگی دیں گی!"

اس کے حلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ وہ کچھ بولنا چاہتا تھا مگر بول نہیں پا رہا تھا۔ مشتری نے کہا۔ "تم یقیناً اب دولت کی نہیں صرف سانسوں کی تمنا کر رہے ہو گے مگر افسوس میں تمہیں چالیس لاکھ کا ایک اور چیک دے سکتی ہوں مگر ایک سانس اور نہیں دے سکتی کیونکہ ٹوتھ پیسٹ کے ذریعے ہی میں تمہاری سانسوں کا خاتمہ کر رہی ہوں۔"

پتا نہیں' اس کا کیا حال ہو رہا ہو گا؟ وہ بولنے کے قابل نہیں رہا ہو گا؟ اس لئے فون پر خاموشی تھی۔ کہیں قریب سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آئی پھر دور سے کسی گزرنے والی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوٹھی کے باہر آ کر کہیں گر پڑا ہے اور اب کبھی اٹھنے کے قابل نہیں رہا ہے۔

مشتری بڑی دیر تک فون کو آن رکھے اسے کان سے لگائے کچھ نہ کچھ سننے کا انتظار کرتی رہی' پھر کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں' پھر کسی نے کہا۔ "ارے یہ تو مر چکا ہے!"

دوسری آواز آئی۔ "اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا ہے۔ یہ اسی حالت میں کوٹھی کے اندر سے آیا ہے۔"

پھر کسی نے بلند آواز سے پوچھا۔ "ارے کوٹھی کے اندر کوئی ہے اندر جو بھی ہے وہ باہر آئے۔"

ایک آواز آئی۔ "اس کے پاس موبائل فون پڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے' یہ آن ہے اور مرنے والا ابھی کسی سے باتیں کر رہا تھا۔"

مشتری نے اپنا فون بند کر دیا۔ خس کم جہاں پاک۔ بیسواں سیارچہ بھی فنا ہو گیا تھا۔ اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ پچھلی تمام رات جاگتی رہی تھی۔ اب اسے سونا چاہئے تھا مگر اچانک غائب ہونے والی چاندنی بی اس کی نیند اڑا رہی تھی۔

پھر کال بیل کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ صوفے سے اٹھ کر دروازے کے پاس آئی۔ دوسری بار کال بیل کی آواز آئی۔ اس نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

باہر سے ایک خاتون کی آواز سنائی دی۔ "آپ دروازہ کھولیں تو ایک دوسرے سے تعارف ہو گا۔"

اس نے دروازہ کھولا۔ خاتون نے کہا۔ "میرا نام بلقیس ہے۔ یہ میرے شوہر اسلم جہانگیر ہیں اور اس کوٹھی کے مالک ہیں۔ آپ فرمائیں کہ آپ ہماری کوٹھی میں کیسے گھس آئی ہیں؟"

وہ اندر آ گئے۔ مشتری نے کہا۔ "پلیز باہر جائیں۔ یہ میری کوٹھی ہے۔ میں نے پینتالیس لاکھ روپے میں اسے خریدا ہے۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے پھر اسلم جہانگیر نے کہا۔ "کمال ہے۔ پچاسی لاکھ روپے کی کوٹھی تم نے پینتالیس میں خرید لی۔ میں نے کھڑکیاں کھلی دیکھیں' تب ہی سمجھ گیا تھا کہ میری کوٹھی میں گھس آنے والا کوئی زبردست چالباز ہو گا۔ اس لئے میں پولیس والوں کو ساتھ لایا ہوں۔"

اس نے دروازے کے پاس جا کر کہا۔ "آپ لوگ تشریف لے آئیں۔"

چند لمحوں میں ایک پولیس انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ اندر آیا۔ بلقیس نامی خاتون نے انسپکٹر سے کہا۔ "یہ فرما رہی ہے کہ ہماری کوٹھی پینتالیس لاکھ میں خریدی ہے۔ آپ ذرا اپنے طریقے سے سچائی معلوم کریں۔"

انسپکٹر نے مشتری سے پوچھا۔ "کیوں بی بی؟ اکیلی ہو یا تمہارا کوئی یار بھی ہے؟"

وہ ناگواری سے بولی۔ "یہ آپ کیسی زبان استعمال کر رہے ہیں۔"

"یہ ہم پولیس والوں کی زبان ہے۔ اسے سنو اور ہاتھ دکھانے کا موقع نہ دو۔ کیا تمہارے پاس اس کوٹھی کے قانونی کاغذات ہیں؟"

"جی ہاں' آپ تشریف رکھیں میں ابھی لاتی ہوں۔"

وہ وہاں سے ایک کمرے میں آئی۔ الماری کو کھول کر خریداری کے کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں نکالیں پھر انہیں ڈرائنگ روم میں لا کر انسپکٹر کو دکھایا۔ اس نے دیکھنے کے بعد کہا۔ "تم نے سرفراز اسٹیٹ ایجنسی کے ذریعے یہ کوٹھی خریدی ہے۔ ایجنسی کا پتا یہیں لبرٹی مارکیٹ کا ہے اور کوٹھی فروخت کرنے والے کا پتا بھی گلبرگ کا ہی ہے۔ بہتر ہے' پہلے ہم سب ایجنسی چلیں۔"

وہ سب باہر آ گئے۔ انسپکٹر نے مشتری سے کہا۔ "بڑی بڑی سیاسی شخصیتیں اسلم جہانگیر صاحب کو یہاں سے اسلام آباد تک جانتی ہیں اور تم لاوارث ہو۔ نہ تمہارے ساتھ کوئی مرد ہے نہ کوئی دوسری عورت۔"

"میں یہاں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہوں۔ کل ہی ہماری شادی ہوئی ہے۔ وہ ابھی صبح ایک ضروری کام سے اسلام آباد گئے ہیں۔"

"دولہا بھی خوب ہے۔ شادی کی پہلی صبح اتنی بڑی کوٹھی میں دلہن کو چھوڑ گیا۔ ابھی تمہارا فراڈ ثابت ہو جائے گا۔ پولیس کی گاڑی میں بیٹھو۔"

بلقیس نے کہا۔ "اس کا معصوم چہرہ بتا رہا ہے کہ یہ فراڈ نہیں ہے۔ اسے مجرموں کی طرح اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔ یہ ہماری گاڑی میں جائے گی۔"

وہ بلقیس اور اسلم جہانگیر کے ساتھ ان کی کار میں بیٹھ گئی۔ بلقیس نے راستے میں پوچھا۔ "تم لاہور کی رہنے والی ہو؟"

"نہیں' چھ دن پہلے کراچی سے آئی ہوں۔ میرے شوہر کا نام ملک حیات شاہ ہے۔ انہوں نے مجھے وہ کوٹھی خرید کر دی ہے اور میرے سامنے کوٹھی بیچنے والے شخص کو رقم ادا کی ہے۔"

"پھر تو تم کسی لمبے چکر میں پڑ گئی ہو۔ ابھی تمہارے سامنے فراڈ کھل جائے گا۔"

وہ لبرٹی مارکیٹ پہنچے۔ جہاں پانچ چھ دن پہلے سرفراز اسٹیٹ ایجنسی کا دفتر تھا وہاں ویرانی تھی۔ سائن بورڈ نہیں تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پڑوس کے دکانداروں نے بتایا۔ دو ہفتے پہلے ایجنسی کا ایک دفتر کھولا گیا تھا پھر پرسوں دفتر والے یہ جگہ خالی کر کے چلے گئے۔ پھر وہ کوٹھی فروخت کرنے والے شخص کا پتا پوچھنے لگے۔ معلوم ہوا کہ گلبرگ میں ایف بارہ ہزار دو سو نمبر کی کوئی کوٹھی نہیں ہے۔ بلکہ جتنی کوٹھیاں ہیں ان کی تعداد بارہ ہزار تک نہیں پہنچتی ہے۔ حروف تہجی کے مطابق کوٹھیوں کے نمبر ہزار تک ہوتے ہیں' پھر نئے حروف سے نئے نمبر شروع کئے جاتے ہیں۔

مشتری کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ وہ کوٹھی کے اصل مالکان کے ساتھ کار میں بیٹھ کر واپس آئی۔ انسپکٹر نے اسلم جہانگیر سے پوچھا۔ "کیا آپ اس چالباز عورت کے خلاف ایف آئی آر درج کرائیں گے؟"

اس نے کہا۔ "اصولاً درج کرانا چاہئے تاکہ مشتری بانو کے پاس خریداری کے جو کاغذات ہیں ان کے ذریعے ہی ہمیں چیلنج نہ کر سکے لیکن یہ فی الوقت بالکل تنہا ہے۔ میں اسے موقع دینا چاہتا ہوں کہ یہ اپنے شوہر کو جلد سے جلد یہاں بلائے۔"

"جہانگیر صاحب اس کا کوئی شوہر ہو گا تو وہ آئے گا۔ آپ بہت رحم دل ہیں۔ یہ آپ کے گھر میں گھس آئی ہے اور آپ اس پر کیس نہیں بنا رہے ہیں۔"

وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھ سے بحث نہ کرو۔ یہ میرا معاملہ ہے۔ میں نمٹ لوں گا' تم جاؤ۔"

انسپکٹر اپنے سپاہیوں کے ساتھ چلا گیا۔ اسلم جہانگیر نے جس انداز میں انسپکٹر سے گفتگو کی تھی اور وہ جس طرح چپ چاپ سر جھکا کر چلا گیا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جہانگیر بڑے اثر و رسوخ کا مالک ہے۔ اس کے ڈرائیور اور ملازم کار سے سامان اٹھا کر کوٹھی کے اندر لا رہے تھے' بلقیس نے کہا۔ "میرے میاں نے تمہیں پولیس کے ہاتھوں میں جانے نہیں دیا۔ تم حسین اور پرکشش ہو۔ حوالات میں تمہارے حسن و شباب کی دھجیاں اڑا دی جاتیں۔ اب بتاؤ تمہاری اصلیت کیا ہے؟ بہتر ہے ہم سے کچھ نہ چھپاؤ۔"

وہ بولی۔ "میں ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ میری شرافت سے متاثر ہو کر ایک نابینا رئیس ملک حیات شاہ نے مجھ سے شادی کی فرمائش کی۔ ہم نے کل ہی کورٹ میرج کی ہے۔"

بلقیس نے پوچھا۔ "کیا یہ تمہاری پہلی شادی ہے؟"

وہ اس سوال پر چونکی پھر سنبھل کر بولی۔ "آں؟ ہاں۔ بالکل پہلی شادی ہے۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اسلم جہانگیر نے ریسیور اٹھا کر سنا پھر کہا۔ "ہاں' میں نے ہی کہا تھا کہ مشتری کے متعلق معلومات فراہم کی جائیں۔"

مشتری بانو سوالیہ نظروں سے فون کی طرف دیکھنے لگی۔ جہانگیر کہہ رہا تھا۔ "ہاں' آج پندرہ جون ہے۔ ایک ماہ بعد سولہ جولائی کو اکیس سیارچے مشتری سے ٹکرائیں گے۔"

مشتری بانو نے اطمینان کی سانس لی کہ وہ سیارہ مشتری کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں باتیں کرنے والے نے چونک کر پوچھا۔ "کیا واقعی؟ کیا وقت سے پہلے ہی اس سے بیس سیارچے ٹکرا چکے ہیں؟ اور اب اکیسواں سیارچہ اس سے ٹکرا رہا ہے۔ بھئی تم سائنس دانوں کی رپورٹ کے خلاف بول رہے ہو۔ مجھے صحیح بات بتاؤ' اچھا' ہاں۔ کیا بیسواں سیارچہ اس سے چار برس تک ٹکراتا رہا۔"

مشتری کو صفدر یاد آ گیا۔ اس نے چار برس تک اس کے ساتھ ازدواجی زندگی

گزاری تھی۔ اسلم جہانگیر نے ریسیور رکھ کر کہا۔ "لعنت ہے لائن کٹ گئی۔ اچھی دلچسپ معلومات حاصل ہو رہی تھیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "مشتری بانو! ہمیں اپنا سمجھو اور جو سچ ہے، وہ بولو۔ کیا یہ تمہاری پہلی شادی ہے۔ اس نابینا شوہر سے پہلے کوئی اور تمہاری زندگی میں نہیں آیا تھا؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "ہا۔ ہاں۔ آ۔ آیا تھا مگر میں سہاگن نہیں رہ سکی۔ چار، چار دن بعد۔"

جہانگیر نے لقمہ دیا۔ "چار سال بعد.........."

وہ الجھ کر بولی۔ "چار سال بعد میں بیوہ ہو گئی۔"

"وہ پہلا شوہر کیا کرتا تھا؟"

"فوٹو گرافر تھا۔ ایک سیدھی سادی زندگی گزارتا تھا۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اسلم جہانگیر نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو۔ ہاں۔ ہاں لائن کٹ گئی تھی۔ تم بیسویں سیارچے کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔ ہاں، ہوں۔ ہوں۔ اچھا تو وہ قاتل سیارچہ تھا۔ مشتری کی طرف آنے والے دوسرے سیارچوں کو نیست و نابود کر دیتا تھا۔"

مشتری بانو فون پر ہونے والی باتیں سن کر الجھنے لگی۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ سیارہ مشتری کی رپورٹ اس کی اپنی داستان حیات سے مماثلت اختیار کر رہی تھی۔

بلقیس نے پوچھا۔ "ہاں تو تم کہہ رہی تھی کہ وہ سیدھا سادہ سا تھا۔ اس کا انتقال کب ہوا تھا؟"

"یہ کوئی ایک برس پہلے وہ مجھے بھری دنیا میں تنہا چھوڑ گیا۔"

اسلم جہانگیر نے فون پر ڈانٹ کر کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔"

مشتری ایک دم سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ جیسے جھوٹ پکڑا گیا ہو۔ اسلم جہانگیر کی نظریں مشتری پر تھیں لیکن وہ فون پر بول رہا تھا۔ "غلط بیانی سے کام نہ لو۔"

مشتری نے پوچھا۔ "آپ کیا سمجھتے ہیں۔ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

جہانگیر نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں تم سے نہیں، اس رپورٹر سے بول رہا ہوں جو دوسری طرف سے بول رہا ہے۔"

مشتری کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے "سوری" کہا۔ بلقیس نے کہا۔ "تم فون کی طرف توجہ نہ دو۔ مجھ سے باتیں کرو۔ مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ ایک برس پہلے تم بیوہ ہو گئی تھیں۔"

جہانگیر نے کہا۔ "نہیں میں یقین نہیں کر سکتا۔ ہوں، ہوں، ٹھیک ہے بولو، میں سن رہا ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک سنتا رہا۔ پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اپنی بیوی سے بولا۔ "بلقیس! کیا تم یقین کرو گی کہ جو بیسواں سیارچہ چار برس تک مشتری سے ٹکراتا رہا۔ وہ آج ساڑھے نو اور دس بجے کے درمیان ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گیا ہے اور وہ کراچی شہر کی ایک کوٹھی کے لان میں آکر گرا ہے۔ کچھ لوگ اس ملبے کو اٹھا کر معائنے کے لئے ہسپتال لے گئے ہیں۔"

مشتری جیسے پاگل سی ہو گئی۔ ایک دم سے چیخ مارتی ہوئی صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "یہ آپ لوگ کیسی مشتری کی باتیں کر رہے ہیں؟ کیا یہ بچکانہ بات نہیں ہے کہ سیارہ مشتری سے ٹکرانے والا کوئی سیارچہ تباہ ہو کر کراچی شہر میں آکر کوٹھی کے لان میں گرے گا؟"

وہ بولا۔ "یہ بچکانہ بات نہیں ہے۔ ابھی مجھے فون پر بتایا گیا ہے کہ اس کوٹھی کا نمبر 25-B ہے۔"

وہ کھڑی ہوئی تھی۔ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح صوفے پر گر پڑی۔ یہ اس کی کراچی والی اپنی کوٹھی کا نمبر تھا۔ وہ حواس باختہ سی ہو کر دیدے پھیلائے کبھی بلقیس اور کبھی اسلم جہانگیر کو دیکھ رہی تھیں۔ بلقیس نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ اپنی اصلیت نہ چھپاؤ۔ ہم پولیس والے نہیں ہیں۔ بلکہ ایسے معزز مجرم ہیں جو تمہاری جیسی واردات کرنے والی عورت کو پولیس اور قانون کی گرفت سے بچاتے ہیں۔"

جہانگیر نے کہا۔ "میں وہی ناکام سیاست داں ہوں، جس کا ذکر نابینا شاہ نے تم سے کیا تھا۔ میں نے نوکر شاہی سے گٹھ جوڑ کر کے اپنی سیاسی ناکامی کو کامیابی میں بدل دیا

ہے۔ تم نے خود بینک میں جا کر دیکھا تھا کہ اس نابینا کو کتنی آسانی سے تین کروڑ کا چیک مل گیا تھا۔ زمینوں کے جعلی کاغذات تیار کرنا' جعلی اسٹیٹ ایجنسی قائم کر کے تمہاری جیسی عورتوں کو دو چار دنوں کے لئے ایسی شاندار کوٹھی کی مالکہ بنا دینا اور تمہاری جیسی مضبوط اعصاب والی عورتوں کو نیم پاگل بنا دینا ہمارے دلچسپ منافع بخش مشاغل ہیں۔"

"ہاں' ابھی میں پاگل سی ہو گئی تھی۔ تم لوگ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہو؟"

"ہمیں تمہاری جیسی زبردست واردات کرنے والی حسین عورتوں کی ضرورت ہے۔ ہم تمہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں گے اور تم راضی خوشی ہمارے لئے کام کرتی رہو گی۔"

"تم لوگوں کو یہ خوش فہمی کیوں ہے؟"

بلقیس نے اپنا پرس کھول کر ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا۔ پھر اس کے پاس آ کر ایک صوفے پر بیٹھ کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اسے کھول کر پڑھو۔"

اس نے کاغذ کو کھولا تو آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ وہ صفدر بخاری کی تحریر تھی۔ اس نے مشتری کو یہ لکھ کر دیا تھا کہ اس نے یعقوب کو قتل کر کے جو پانچ لاکھ حاصل کئے ہیں' وہ رقم مشتری بانو کے پاس رکھوائی ہے۔

بلقیس نے پرس میں سے دوسرا کاغذ نکال کر دیا پھر تیسرا' پھر چوتھا پھر پانچواں کاغذ نکال کر اسے دیتی رہی۔ ان تمام کاغذات پر اس کے مختلف عاشقوں نے لکھا تھا کہ وہ کس طرح مشتری سے شادی کرنے کے لئے اور اس کے مطلوبہ پانچ لاکھ روپے ادا کرنے کے لئے کیسی کیسی وارداتیں کر رہے ہیں۔ ان تمام تحریروں سے ثابت ہوتا تھا کہ مشتری بانو بیس عدد عاشق سیارچوں کے تمام جرائم میں برابر کی شریک رہی ہے۔

بلقیس ان تمام تحریروں کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں دکھا رہی تھی۔ جہانگیر کہہ رہا تھا۔ "ہمارے گروہ میں دو شعبے ہیں۔ ایک شعبے کے افراد بینکوں کے اندر رہ کر نوکر شاہی افسران کے تعاون سے خزانہ خالی کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے شعبے میں وہ ڈاکو ہیں جو باہر سے آ کر بینکوں کو لوٹتے ہیں۔ ہم نے انہیں سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ تمہارے لاکر

پر ضرور ہاتھ صاف کریں اور انہوں نے ہاتھوں کی صفائی دکھائی۔ اب بولو ہمارے لئے کام کرو گی یا ساری عمر جیل میں گزارو گی؟"

وہ شکست خوردہ انداز میں بولی۔ "تمہارا گروہ میرے مزاج کے مطابق ہے میں کام کروں گی۔"

"تو پھر آج رات کی فلائٹ میں تمہاری سیٹ بک ہو جائے گی۔ تم کراچی جاؤ گی اور تمہارے اکاؤنٹ میں جتنی رقم ہے' اسے ہمارے بتائے ہوئے بینک اکاؤنٹ میں منتقل کر دو گی۔"

"یہ تو ظلم ہے۔ میں بالکل ہی کنگال ہو جاؤں گی۔"

"ہم اپنے گروہ میں کسی کو بھی ایک لاکھ روپے سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔"

"تم ایسا کیوں کرتے ہو؟"

"اس لئے کہ دنیا کی سب سے خطرناک چیز "کشش" ہے۔ تمہارے پاس کئی لاکھ روپے کی کشش تھی۔ تم نے 20 سیارچوں کی اپنی کشش میں لا کر مار ڈالا ہے۔"

"میں نے کسی کو ہلاک نہیں کیا۔ ان سب کو صفدر بخاری نے ہلاک کیا تھا؟"

"تمہاری شہ پر کیا تھا۔ تمہارے حسن و شباب نے اور تمہاری دولت نے اسے بھڑکایا تھا۔ اگر تمہارے اندر بھڑکانے والا اور ترغیب دینے والا مادہ نہ ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتا۔ اس لئے وہ مادہ ہم تمہارے اندر سے نکال دیں گے۔"

اسے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ وہ خالی اور کھوکھلی ہو رہی ہے۔ کل اپنا تمام بینک بیلنس اس کے گروہ کے حوالے کرنے کے بعد بالکل ہی کھوکھلی اور کنگال ہو چکی ہو گی۔ وہ خود کو بہت مکار اور چالباز سمجھتی تھی لیکن صرف ایک اندھے نے اس کے اندر کی تمام کشش نکال کر اسے ایک عام سی عورت بنا دیا تھا۔"

اس نے ناگواری سے پوچھا۔ "وہ اندھا شاہ کہاں ہے؟"

"وہ اس کوٹھی کے ایک کمرے میں ہے اور اسی کمرے سے ابھی وہ بار بار میرے اس فون کی گھنٹی بجا رہا تھا اور میں سیارہ مشتری کے حوالے سے تمہاری لائف ہسٹری کو چھیڑتا جا رہا تھا۔"

اسی وقت ڈرائنگ روم کا دوسرا دروازہ کھلا۔ مشتری کھلے ہوئے دروازے پر نابینا ملک حیات شاہ کے ساتھ چاند بی بی کو دیکھ کر چونک گئی۔ وہ بہترین لباس میں اور لائٹ میک اپ میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

اسلم جہانگیر نے کہا۔ "ہمارے گروہ میں ازدواجی گھریلو زندگی گزارنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کل ان دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔"

وہ نابینا چاند بی بی کے سہارے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا پھر اس کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ کر جہانگیر سے بولا۔ "سر! ہمارا جو آدمی صفدر کا تعاقب کرتا ہوا کراچی گیا تھا' اس نے جب اسے کوٹھی کے باہر آکر دم توڑتے دیکھا تو فوراً ہی کوٹھی کے اندر چلا گیا اور اندر صفدر کے جتنے سامان میں پی آئی اے کے ٹیگ لگے ہوئے تھے ان سب کی تلاشی لی۔ تین درجن ایسی تصویریں اس کے ہاتھ لگیں جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا ایک طرف میں نے مشتری سے کورٹ میرج کی ہے اور دوسری طرف چاند بی بی کے ساتھ سہاگ رات منا رہا ہوں۔"

جہانگیر نے کہا۔ "اس میں شبہ نہیں ہے کہ مشتری ایسی چالیں چلتی ہے' جو دوررس نتائج کی حامل ہوتی ہیں۔ اس کی یہی خوبیاں دیکھ کر ہم اسے اپنے گروہ میں شامل کر رہے ہیں۔"

"سر! صفدر کے سامان سے ایسے تمام ثبوت غائب کر دیئے گئے ہیں جن سے میں' چاند بی بی اور مشتری قانونی گرفت میں آسکتے تھے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ صفدر کو کیسے ہلاک کیا گیا ہے؟"

جہانگیر نے کہا۔ "مشتری! اس سے پہلے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے پولیس کو کوئی سراغ ملے' ہمیں بتا دو کہ تم نے کس طرح اس کا خاتمہ کیا ہے۔ ہم وہ ثبوت بھی غائب کرا دیں گے۔"

مشتری نے اپنے بچاؤ کی خاطر کہا۔ "میں نے اس کے ٹوتھ پیسٹ کے ٹیوب میں سرنج کے ذریعے زہر انجکٹ کیا تھا۔ آپ اپنے آدمی سے کہہ دیں کہ وہ میری کوٹھی کے تمام باتھ رومز سے تمام ٹوتھ پیسٹ کے ٹیوب اور برش غائب کر دے۔"

جہانگیر نے کراچی کے کوڈ نمبر کے ساتھ اپنے خاص آدمی کے فون نمبر ڈائل

کئے۔ پھر رابطہ ہونے پر ٹوتھ پیسٹ اور برش وغیرہ وہاں سے غائب کر دینے کا حکم دیا۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔ "سر! بہت دیر ہو چکی ہے۔ کوٹھی کے اطراف پولیس کا سخت پہرہ لگا دیا گیا ہے ہم اندر نہیں جا سکیں گے۔"

اس نے فون بند کیا۔ پھر ایک اعلیٰ عہدے دار سے رابطہ کر کے بولا۔ "میں اسلم جہانگیر بول رہا ہوں۔ ایک مرڈر کیس میں کوٹھی نمبر 25-B کا پولیس نے محاصرہ کیا ہے۔ یہ مرڈر ہماری طرف سے ہوا ہے۔ وہاں جو افسران تفتیش کر رہے ہیں' ان سے کہہ دو کہ اس کوٹھی کے تمام باتھ روم کے ٹوتھ پیسٹ اور برش ضائع کر دیں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "جہانگیر صاحب! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں ابھی اس کے متعلقہ افسران کو یہی حکم دوں گا۔"

"ایک بات اور کوٹھی نمبر 25-B کی مالکہ مشتری بانو جو صفدر بخاری کے قتل بعد بیوہ ہو چکی ہے' وہ کل وہاں پہنچ رہی ہے۔ اس کیس کے افسران کو تاکید کر دیں کہ بے چاری بیوہ سے پیچیدہ سوالات نہ کریں۔"

اس نے دوسری طرف کی بات سنی۔ پھر ریسیور رکھ دیا۔ نابینا ملک حیات شاہ نے جہانگیر سے کہا۔ "سر! آپ ایسے بڑے بڑے سیاست دانوں کو بھی تم کہہ کر مخاطب کرتے ہیں جبکہ پوری قوم انہیں سلام کرتی ہے۔"

اس نے کہا۔ "یہ سیاست داں جو کبھی پانچ برس کے لئے' کبھی دو برس کے لئے اور کبھی دو چار ماہ کے لئے حکومت کرنے آتے ہیں' ان کی حیثیت کیا ہوتی ہے۔ اقتدار کی کرسی پر "آپ" اور کرسی کے نیچے "تم" یہی ان کی سیاسی اور سماجی حیثیت ہوتی ہے۔ محترم اور معزز تو نوکر شاہی کا گروہ ہے' جو قیام پاکستان سے پس پردہ حکومت کرتا آ رہا ہے۔ تم نے بارہا دیکھا ہے کہ میں ایک فون کرتا ہوں تو پورا اسلام آباد الرٹ ہو جاتا ہے۔"

پھر اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "اب بتاؤ کہ کشش کس میں زیادہ ہے؟ آتے جاتے حکمرانوں میں یا کہ مجھ میں ہے؟"

بلقیس نے کہا۔ "حکمرانوں میں اتنی ہی دیر تک کشش رہتی ہے' جتنی دیر مشتری بانو میں رہی ہے۔ حکمرانوں سے اختیارات چھین لے جائیں اور مشتری بانو کا بینک

بیلنس خالی کر دیا جائے تو دونوں صفر ہو جاتے ہیں۔"

مشتری بانو ماضی میں جیسے جرائم کی ذمے دار رہی تھی' اس کے پیش نظر اسے موت کی یا عمر قید کی سزا ضرور ہوتی لیکن اس پر سے سارے الزامات ایسے مٹ گئے جیسے ہر دور کے سیاست دانوں کا نمائشی محاسبہ کرنے کے بعد ان پر لگے ہوئے الزامات کو منوں فائلوں کے نیچے دبا دیا جاتا ہے۔ پھر گڑے مردے کوئی نہیں اکھاڑتا۔

نابینا ملک حیات شاہ نے جہانگیر سے کہا۔ "سر! میں نے آپ سے ایک درخواست کی تھی' اس کی منظوری چاہتا ہوں۔"

اب وہ نابینا نوکر شاہی گروہ سے علیحدگی اختیار کر کے چاندنی بی کے ساتھ ایک شریفانہ گھریلو اور ازدواجی زندگی گزارنا چاہتا تھا اور چاندنی بی نے یہی شرط رکھی تھی کہ وہ جرائم سے پاک زندگی گزارے گا اور اپنی ذہانت کو ملک و قوم کی خاطر مثبت طریقوں سے استعمال کرے گا تو وہ اس کی شریک حیات بن کر فخر کرے گی۔

اسلم جہانگیر نے کہا۔ "جب تمہارا دل اور دماغ ہمارا ساتھ نہیں دے گا تو پھر تم پوری دلجوئی سے کام نہیں کر سکو گے۔ تم اس گروہ سے جاؤ گے' میں اعتراض نہیں کروں گا۔ مگر سمجھاؤں گا کہ نہ جاؤ۔ ہمیں تمہاری ضرورت رہا کرے گی۔ تم ایک ذہین کارکن ہو اور تمہارا اندھا پن ہمارے لئے ایک مضبوط ڈھال بن جاتا ہے۔"

ملک حیات شاہ نے کہا۔ "آپ میرے قدر دان ہیں۔ میں ہمیشہ آپ کی عزت کرتا رہوں گا لیکن مجھے رئیس اعظم اور اندھا سمجھ کر عورتیں دھوکا دیتی رہیں گی لیکن چاندنی بی جیسی عورتیں کم کم ہیں جو کہتی ہیں کہ انہیں دولت نہیں بلکہ ملک و قوم کے لئے ایمان چاہئے۔ مجھے خوش قسمتی سے ایسی اچھی اور نیک شریک حیات مل رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے جاؤ' ہو سکے تو ملک سے باہر چلے جاؤ اور شریک حیات کے ساتھ جتنا عرصہ مسرتوں بھری زندگی گزارنا چاہتے ہو' گزارتے رہو۔ جب دل بھر جائے تو ہمارے پاس واپس آ جانا۔"

"معافی چاہتا ہوں سر! ہو سکتا ہے' سیر و تفریح سے' عیش و عشرت سے دل بھر جائے۔ ہو سکتا ہے' چاندنی بی سے بھی دل بھر جائے لیکن واپسی نہیں ہوگی۔ کیونکہ میں نے چاندنی بی کے سامنے کلام پاک اٹھا کر ایک شریفانہ زندگی گزارنے کا عہد کیا ہے۔

عدالت کے کٹہرے میں کلام پاک ہاتھ میں لے کر جھوٹی گواہی دینے والے جھوٹے مسلمان ہوتے ہیں لیکن جب ایک مومن قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر عہد کرتا ہے تو پھر اس عہد کو پورا کرنے کے لئے اپنی جان پر بھی کھیل جاتا ہے۔"

اسلم جہانگیر نے کہا۔ "تم نے اتنی بڑی بات کہہ دی ہے کہ آگے کسی بحث کی گنجائش نہیں رہی۔ میں تمہیں اپنے گروہ سے جانے کی اجازت دیتا ہوں دونوں کو میاں بیوی بننے کی پیشگی مبارک باد بھی دیتا ہوں۔ ویسے تم جانے سے پہلے مشتری بانو جیسا ہیرا ہمارے حوالے کر رہے ہو۔ یہ مشتری ہمیں تمہاری یاد دلاتی رہے گی۔"

ملک حیات شاہ نے ٹٹول کر چاندنی بی کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسلم جہانگیر نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا۔ بلقیس نے بھی انہیں نئی زندگی کی مبارک باد دیتے ہوئے رخصت کیا۔ صرف مشتری بانو خاموش کھڑی اس اندھے کے ساتھ جانے والی کو دیکھ رہی تھی۔ جسے ملازمہ بنا کر رکھا تھا۔ وہ ایک اندھے کی آنکھوں کا نور بن کر ایک نورانی راستے پر جا رہی تھی اور وہ خود جرائم کی تاریک دلدل میں دھنستی جا رہی تھی۔

☆------☆------☆

اس قدر حقائق بیان کرنے کے بعد کسی خطرے سے خبردار اور ہوشیار کرنا ضروری نہیں ہو گیا۔ اگر خلا میں بھٹکنے والے سیارچے 16 جولائی سے 21 جولائی تک سیارہ مشتری سے ٹکرانے والے ہیں تو انہیں ٹکرانے دیا جائے۔ وہاں قیامت خیز دھماکے ہونے والے ہیں' تو ہونے دیئے جائیں۔ ایسے ٹکراؤ اور دھماکوں سے سیارہ مشتری کی سطح پر انقلابی تبدیلیاں آتی ہیں تو آنے دی جائیں۔ کیونکہ وہ سیارہ مشتری ہے' ہماری زمین نہیں ہے۔ ہم اپنی زمین پر ہونے والے کتنے بدمعاش دھماکوں سے خبردار اور ہوشیار ہیں؟

ہاں' 16 جولائی سے جو کچھ ہونے والا ہے اس سے یہ اٹل اور ناقابل انکار حقیقت سمجھ میں آئی ہے کہ ساری کائنات میں سب سے زیادہ اہمیت "کشش" کو ہے۔ نظام شمسی کے جتنے سیارے ہیں' وہ سب ایک دوسرے کی قدرتی کشش میں رہ کر ازل سے ہیں اور تاقیامت رہیں گے۔ ان کی کشش خالق کائنات کی مرضی سے ہے۔

لیکن پاکستان میں بھرپور کشش صرف نوکر شاہی کو حاصل ہے۔ یہاں خدا کو تلاش کرنا ہوگا کہ آخر خالق کائنات کی کشش اور اس کی رضا کہاں رہ گئی ہے؟

یہ ملک خداداد ہے۔ یعنی خدا نے یہ ملک دیا ہے تو پھر خدائی کشش بھی کہیں ہوگی۔

ہاں' یہ کشش ہے۔ اچانک ہی دو گولیاں چلنے کی آواز دور تک گونج گئی۔

ٹھائیں............ٹھائیں............

محبت کے ایک سبزہ زار میں دو لاشیں گریں۔ ایک لاش اندھا دھند ایمان والے اندھے کی تھی اور دوسری چاندنی بی بی کی۔

سوال۔ ”سر! وہ نابینا تو آپ کا سچا وفادار تھا۔ پھر آپ نے اسے کیوں ہلاک کرا دیا؟“

جواب۔ ”وفاداری وہاں ہوتی ہے جہاں کشش ہوتی ہے۔ یہ حقیقت گرہ میں باندھ لو کہ مسلمان سے ہو سکتے ہیں مومن کوئی کوئی ہوتا ہے اور اس پوری کائنات میں مومن کے لئے پہلی اور آخری کشش صرف کلام پاک میں ہوتی ہے۔ یہ کتاب سچائی کا درس دیتی ہے اور وہ نابینا گھر کا بھیدی تھا۔ جب وہ کلام پاک ہاتھوں میں لے کر ہم سے علیحدہ ہو سکتا ہے تو پھر ایک مومن کی سچائی سے ملک دشمن عناصر کے خلاف محاذ بھی بنا سکتا ہے۔“

وہ بڑا فکر مند ہو رہا تھا۔ اس نے مشتری بانو کو کشش سے خالی کر دیا تھا۔ ملکی خزانے کو خالی کر کے اس کی کشش کم کر کے ورلڈ بینک کی کشش میں اضافہ کر رہا تھا۔ اگر سائنس داں کوشش کرتے تو سیارہ مشتری کی کشش کو بھی ختم کر دیتے یا کم کر دیتے۔ دنیا کی ہر مقناطیسی شخصیت' ہر مقناطیسی چیز ایک روز اپنی کشش کھو دیتی ہے لیکن ایک مومن کو قتل کرنے یا ایک لاکھ مومنین کو ہلاک کر دینے کے باوجود کلام پاک کی کشش میں کمی کیوں نہیں آتی؟

یہ نام نہاد مسلمانوں کے لئے اور غیر مسلم ورلڈ کے لئے ایک ناقابل فہم مسئلہ ہے اور رہے گا۔

☆------☆------☆